

بست کیا ہے؟

مستند تاریخی شہادتوں اور ہندو مصنفین
کی تحریکات کے عکسوں کے ساتھ

کتاب گھر
ناظم آباد لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ؟

مجموعہ مضامین

- ☆ مفتی ابوبالہ شاہ منصور
- ☆ مولانا قاری منصور احمد
- ☆ مولانا محمد اسلم شیخوپوری
- ☆ یاسر محمد خان
- ☆ ملا معاویہ خفئی
- ☆ مولانا مجاہد الحسنی

کتاب گھر نے تبلیغی مقاصد کے لئے شائع کی

نام کتاب: بسنت کیا ہے؟
 ترتیب: مولانا احمد حسن
 تاریخ طبع: ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ
 ناشر: کتاب گھر ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

ملنے کے پتے

- ۱- ملک بھر میں ضرب مومن کے تمام دفاتر
- ۲- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ۳- ادارۃ اسلامیات انارکلی لاہور
- ۴- ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی
- ۵- منظرہ کتب خانہ گلشن اقبال کراچی
- ۶- اقبال بکڈ پوسٹر کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	مولانا جہانگیر		ملتی ایلو باپشاہ مشور
۴۰	بہشت اور پتنگ بازی	۷	وہ چند لمحے (مقدمہ)
۴۲	ٹوٹی پتنگ اور کار کی ڈگی	۱۱	دیوانوں کی دنیا
۴۳	یہ سرمایہ اور فائزنگ کی یہ گولیاں	۱۱	حدود کے پار
	یاسر محمد خان	۱۲	اے غازی کے وارثو!
۴۴	بہشت کی حقیقت آغاز سے انجام تک	۱۳	اس وقت سے پہلے
۴۴	بہشت کا آغاز	۱۴	ایک خط اور اس کا جواب
۴۵	بہشت مذہبی تہوار کیسے بنا؟	۱۶	نئے تہوار معاشرے میں خطرناک تصور
۴۶	پتنگ بازی کی تاریخ	۱۷	چٹا کی ہساند
۴۷	موسیٰ کیل	۱۷	بدنمائیہ مہر
۴۷	بہشت اور حضرت امیر خسرو	۱۹	اس لمحے کی تلاش
۴۸	قومی تہوار اور اس کی تقسیم	۲۲	اے زندہ دلان لاہور
۴۹	جشن بہاراں	۲۵	دیوی کا پجاری دیوتا
۴۹	بہشت سرکاری سرپرستی میں	۲۶	کیا بہشت محض ایک موسمی تہوار ہے؟
۵۱	دو دشمن طاقتیں اور ان کے مقاصد	۳۱	پنے کا جھاڑ
۵۱	ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار جھکنڈے	۳۴	باخبروں کی بے خبری
۵۳	بہشت کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا	۳۷	ذہرا نہیں تہرا گناہ

انتساب

نوجوان نسل کے حقیقی نمائندے

غازی علم دین شہید رحمہ اللہ

کے نام

جس نے رسم و فاعجب انداز میں

نبھا کر ہماری لاج رکھ لی

پہلی بات

”ضرب مؤمن“ نے جن مختلف میدانوں میں مسلم ائمہ کی خدمت انجام دی ہے، ان میں سے ایک معاشرے میں پھیلی ہوئی واپیات قسم کی رسوم کی اصلاح بھی ہے۔ قانون قدرت ہے کہ خرابی جس پیمانے پر پھیلتی ہے اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ اسی حساب سے توفیق عنایت فرما کر کسی خوش نصیب کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ ”ضرب مؤمن“ قدرت کے اس نیکوینی قانون کی بہترین مثال ہے۔ گزشتہ چند سال میں مغربی اور بھارتی ثقافت کی ہمارے معاشرے پر یلغار کے نتیجے میں جو فضول اور نامعقول قسم کی رسوم ہماری ثقافت میں در آئیں، ان کی شدت اور وسعت نے سنجیدہ طبقے کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہولی، دیوالی تک تو خیر تھی کہ یہ کافی حد تک محدود تھیں لیکن ”نیو ایئر ٹائٹ“ اور خصوصاً ”بہشت“ نے جو غضب ڈھایا (اور اب تو ”ویلنٹائن ڈے“ نے بھی زہریلی بوٹیوں کے اس کھیت میں سے سر نکال لیا ہے) وہ جہر حال افسوسناک ہے اور ایسی ملت کو قطعی زیب نہیں دیتا جو اقوام عالم کی خیر خواہی اور رہنمائی کے لئے مبعوث کی گئی ہو۔ اس صورت حال میں داعیان دین کو اسی درجے کی محنت کی ضرورت ہے جس حساب سے ”جاہلیت جدیدہ“ کی بنیاد پر رسوم پھیل رہی ہیں۔

گزشتہ سال، ہندو نے جب بہشت کے متعلق لکھا کہ ہندوستان کا بہشت منانے میں تو ہولی دیوالی کی طرح ایک گناہ ہے لیکن لاہور کا بہشت دو خطرناک گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ہندو اندر میں شمولیت اور ایک گستاخ رسول کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے تھکے کی آڑ میں منائے گئے میلے اور جشن میں شمولیت، تو فیصل آباد سے ایک نوجوان نے خط لکھا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۱	بہشت اور بہار	۵۵	بہشت کی شہرت کیسے ہوئی؟
۷۷	بے ضمیر لوگوں کا مشغلہ	۵۶	بہشت کے منفی اثرات
۷۸	چنگ بازی کی خرابیاں	مولانا قاری منصور احمد	
۷۹	گستاخ رسول کی یاد میں بہشت میلہ؟	۵۷	دوقومی نظریے کی موت
۸۰	اے اللہ کے بندو!	۵۷	عبرت آموز واقعہ
۸۱	تبصرے، ادارے، مراسلے	۵۸	دوسرا واقعہ
۸۱	بہشت جیسی رسم بد پر ایک تبصرہ	۵۸	گورنر پنجاب اور ہال ٹھا کرے کے بیان پر تبصرہ
۸۳	بہشت کی رسم بد پر مکمل پابندی ضروری ہے	مولانا محمد اسلم شوق پوری	
۸۳	بہشت پر ضرب مؤمن کا ادارہ	۶۰	زندہ دلوں کے شہر میں
۸۳	کہیں یہ جشن ہمیں لے ہی نہ ڈو میں	۶۲	انسانی اقدار کی پامالی
۸۵	ضرب مؤمن کے قاری کا مراسلہ	۶۳	درس عبرت
۸۵	مغربی اور ہندو کچھر کے آثار	۶۵	کیا ہر تفریح جائز ہے؟
۸۷	ایک اور قاری کا مراسلہ	۷۰	کیا ہر تفریح ناجائز ہے؟
۸۹	ضرب مؤمن کے ایک قاری کا خط	علامہ حاد یہ حنفی	
۹۲	حوالہ جات	۷۵	بہشت ایک ہندو اندہ تہوار
۱۶۱	تصاویر	۷۵	آمد بہار

کہ اگر آپ اس کا ثبوت پیش کر دیں تو میں اور میرے دوست اس رسم کو ضرور چھوڑ دیں گے۔ بندہ ان ثبوتوں کو جمع کرتے کرتے تاریخی کتب سے ہوتا ہوا ہندو مصنفین کی تحریرات تک جا پہنچا۔ ان تمام حوالوں کے عکس جب اخبار میں دیے گئے تو قارئین کے وسیع حلقے نے اسے ایک اچھی اور مفید کاوش قرار دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگلے سال بسنت کا ہنگامہ شروع ہونے سے پہلے پہلے یہ تمام مضامین حوالہ جات کے عکس کے ساتھ شائع ہو جائیں تو بہت سے لوگوں کو بسنت کی وہ حقیقت سمجھ آ سکتی جو پتنگ جیسی خرافات میں کھو کر رہ گئی ہے۔

زیر نظر مجموعہ اس مشورے کی پذیرائی کا نتیجہ ہے۔ اس میں وہ تمام حوالہ جات اور تصاویر دی گئی ہیں جو ضرب مؤمن میں دی گئی تھیں۔ ان میں سے بعض حوالے ایسے تھے جن کے حصول کے لیے قارئین سے تعاون کی درخواست کے علاوہ کراچی اور لاہور کے بعد دہلی کے کتب خانے چھاننے پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آخر کار گوہر مقصود ہاتھ آ ہی گیا۔ اس مجموعے میں میرے ان محترم بھائی اور قابل تو قیر بزرگوں کی وقیع نگارشات بھی شامل ہیں جو ”ضرب مؤمن“ میں وقفہ وقفہ شائع ہوتی رہیں عرق ریزی اور دل سوزی کے ساتھ لکھی گئی ان حضرات کی یہ گرانقدر تحریریں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو تحقیقی انداز میں اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی ترتیب اور اشاعت کے لیے جناب مولانا احمد حسن صاحب اور جناب قاری عبدالرحمن صاحب نے دلی شوق اور لگن کے ساتھ محنت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

امید ہے کہ اس مجموعے سے اس موضوع پر کام کرنے والوں کو رہنمائی ملے گی اور ہمارے ہم وطنوں خصوصاً لاہوری بھائیوں کو وہ روک مہیا ہو سکے گی جو انہیں ایسی رسم کو چھوڑنے پر آمادہ کر سکے گی جو ان سے چھڑائے نہیں چھوٹ رہی۔ یہاں شاید یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ کتاب نہیں جس میں متعلقہ مباحث کو ترتیب سے بیان کیا گیا

ہو۔ یہ تو مختلف مواقع میں لکھے گئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کی اصل افادیت اردو، سندھی اور انگریزی کتب کے ان صفحات کے عکس میں ہے جو اس کے آخر میں موجود ہیں اور ناقابل تردید شہادتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ بندہ نے اس مجموعہ کو غازی علم دین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے منسوب کر کے اس کتاب کی قدر و وقعت بڑھانے اور لاہوری (لاہوری) بھائیوں کو وہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے جس پر وہ ذرا دیر کے لیے توجہ دیں تو چند لمحوں کے لیے ضرور ٹھٹھک کر رہ جائیں گے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ تو بہ ایسے ہی چند لمحوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔

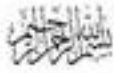
والسلام

ابولہبابہ

۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

۱۷ جنوری ۲۰۰۳ء

بعد نماز مغرب



دیوانوں کی دنیا

مفتی ابوبالاء شاہ منصور

حدود کے پار:

عین ان دنوں جبکہ ارض حرم کی استطاعت رکھنے والے خوش نصیب مسلمان دنیا کی آلائشوں سے دامن بچا کر اپنے روٹھے ہوئے مالک و مولیٰ کو منانے اور اس کے غضب سے پناہ مانگنے میں لگے ہوئے ہیں، ہمارے ملک میں بدقسمتی سے بسنت کا جشن منانے اور رنگ جھانے کی ہوا چلی ہوئی ہے۔ دینی مدارس کی ”اصلاح“ کے لیے اربوں روپے بیرون ملک کے مانگنے والے ملک میں شب بھر میں نوٹوں کی گڈیوں کی گڈیاں پتنگیں اور گڈیاں چڑھانے پر اور پھر انہیں کانٹے کی خوشی منانے پر پھونک دیے گئے ہیں۔ رقص کی محفلیں سجا کر موسیقی کی تائیں اڑائی گئی ہیں۔ سرکاری سرپرستی میں خصوصی تقریبات منعقد کی گئی ہیں جن میں غیر ملکی مہمانوں کی سہولت کے لیے انہیں ڈور، گڈیاں، پتنگیں، کھانے و دیگر لوازمات مفت فراہم کیے گئے ہیں۔ اس موقع پر نو جوانوں کی ٹولیاں جو اخلاق سوز حرکات کرتی ہیں اس باکمال کارکردگی کو قوم تک پہنچانے کے لیے ٹی وی نے سنسر میں چھوٹ کا دل کھول کر استعمال کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ پاکستان کو ہندو انا زردی میں ایسا چوکھا رنگ لگایا جائے کہ کوئی شہر لاہور سے پیچھے نہ رہے تاکہ جب ”لہوریے“ حدود کو پار کر جانے کے بعد کسی قدرتی گرفت میں آئیں تو ان کے لیے بارگاہ الہی میں عفو و کرم کی التجا کرنے والا بھی کوئی نہ رہے۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ

مَنْ تَشَبَّاهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(رواہ احمد و ابوداؤد)

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔“

(مسند احمد، ابوداؤد)

اے غازی کے وارثو!

اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ ”بسنٹ“ نامی ہندوانہ تہوار میں جو پتنگ بازی طوفان بدتمیزی کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، لاہور کے ایک گستاخ رسول بت پرست کی اختراع کردہ ایک منحوس رسم تھی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ شہر جو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے اسلام کے نامور سپہوتوں اور شمع رسالت کے جانثار پر وانوس کی آخری آرام گاہ ہے، اسی شہر کے ہاسی آج ایسی رسم کو اپنی پہچان بنا چکے ہیں جو ایک کھتری لوطے کی توہین رسالت کی ناپاک جسارت اور پھر اس کی عبرتناک موت کی یاد میں ایک متعصب ہندو سیٹھ نے شروع کروائی تھی۔ تاریخی حقائق کے مطابق ۱۷۰۷ء سے ۱۷۵۹ء کے دوران پنجاب کے گورنر زکریا خان کے دور میں سیالکوٹ کے ایک ہندو کھتری باغ مل کے بنیے حقیقت رائے نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہے۔ اس جرم کی تحقیق ہوئی اور جرم ثابت ہو گیا۔ چنانچہ سزا کے طور پر اس گستاخ رسول کو پہلے کوڑے لگائے گئے اور بعد میں ایک ستون سے باندھ کر گردن اڑا دی گئی۔ یہ ۱۷۳۴ء کا واقعہ ہے۔ تاریخی کتب میں ذکر ہے کہ جس دن حقیقت رائے کو سزائے موت دی گئی وہ ”بسنٹ پنہی“ کا دن تھا۔ اس گستاخ رسول کی یاد میں ہندوؤں نے لاہور کے علاقے کوٹ خولہ سعید میں ایک سادھی تعمیر کی۔ مؤرخین کے مطابق ایک ہندو رئیس کا لورام نے اس جگہ حقیقت رائے کی یاد میں مندر تعمیر کرایا۔ باقاعدہ بسنٹ میلے کا آغاز کیا اور پتنگ بازی کو رواج دیا۔ ایک سکھ مؤرخ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کا لورام نے حقیقت رائے کی یاد میں بسنٹ میلے کا آغاز کیا تھا۔ دیکھیے: ”پنجاب آخری مغل دور حکومت میں“ از ڈاکٹر بی ایس نجار: ص ۲۷۹۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مآخذ میں کچھ سے پتا چلتا ہے کہ یہ میلہ ہندوانہ ہے اور ان میں کچھ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتنگ بازی تو ایسی شرمناک حرکت ہے جو ایک گستاخ رسول کی یاد میں شروع کی گئی تھی:

تاریخ لاہور از عبداللطیف: ص ۲۶۰، نیز المیرونی کی تاریخ الہند اور فرہنگ آصفیہ میں مادہ بسنٹ۔

اس وقت سے پہلے

خطرہ جس بات سے ہے وہ محض یہ نہیں کہ منچلے لاہوری اس رات بے حد اسراف کرتے ہیں، قیمتی جانیں اور املاک ضائع ہوتی ہیں، ہندوؤں کو ہماری تضحیک کا موقع ملتا ہے، غازی علم الدین شہید کی روح اپنی جنت نما قبر میں ترپتی ہے، بلکہ اندیشہ اس چیز کا ہے کہ جس طرح لاہوری ہوائی ہنسی ہنسی میں اس موج میلہ کو اپنی پہچان بناتے جا رہے ہیں اور سال بسال اس میں رنگ اور ترنگ آتا جا رہا ہے اور فصاحت کرنے والوں کی خیر خواہانہ فہمائشیں صدا صحرایہ ثابت ہو رہی ہیں، رفتہ رفتہ بعینہ وہ کیفیت بنتی جا رہی ہے جس کا شکار نفس و شیطان کی ماننے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے منہ موڑنے والی اقوام ہو جایا کرتی تھیں اور لذت کوشی کا یہ خمار ان کے سر سے اس وقت تک نہ اترتا تھا جب تک حکماء ہنسی ناگہانی آفت کا پیغام لے کر ان کے سر پر نہ آ پہنچتی۔ اس مرتبہ سرکاری سرپرستی میں جس اہتمام سے اسے قومی سے بڑھ کر بین الاقوامی تقریب بنائے جانے کی خبریں آئی ہیں اور سنر میں نرمی اور آزادی کی انتہا کر دی گئی ہے، اس کے بعد علماء کرام اور خیر خواہان قوم پر فرض ہو گیا ہے کہ وہ مل جل کر دل سوزی کے ساتھ اس صورت حال کا تذکرہ اس وقت سے پہلے کرنے کی مربوط اور مقبوضہ کوششیں شروع کر دیں جب تفریح کا ہیں غم کدے بن جاتی ہیں، ہنسی اور تہمتے چیخ و پکار میں بدل جاتے ہیں اور واپسی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔



ایک خط اور اس کا جواب

محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب!

السلام علیکم

۲۲ تا ۲۸ فروری کے ضرب مؤمن میں آپ کا مضمون ”دیوانوں کی دنیا“ کے نام سے شامل اشاعت ہوا۔ مضمون کے مطالعہ سے قبل بھی مجھے ذاتی طور پر بسنت سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، لیکن بہر حال میں اس تہوار کو اتنا یاد آتا تھا کہ دوست احباب بسنت مناتے تو کبھی کبھار ان کے شور و غل میں شریک ہو جاتا، لیکن جب آپ کے مضمون میں اس تہوار کے ابتدائی حالات و واقعات پڑھے جن کی بدولت پتنگ بازی کو فروغ ملا تو بسنت کے اس تہوار سے نفرت ہو گئی۔ دوستوں کو یہ باتیں بتائیں تو مجھے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وہ اس بات کو ماننے پر تیار نہیں کہ پتنگ بازی کا آغاز ایک گستاخ رسول کی یاد میں ہوا، لیکن بہر حال ان کی مہربانی یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ اگر میں اس بات کو ثابت کر دوں تو وہ نہ صرف بسنت منانا چھوڑ دیں گے بلکہ اس کے خلاف زبردست تحریک بھی چلائیں گے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مضمون میں شائع شدہ مواد نا کافی ہے اور ویسے بھی نفس کو پسندیدہ کام کے حق میں انسانی ذہن کئی قسم کی تاویلیں پیش کرتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اگر میری وجہ سے کوئی راہ راست پر آئے تو میرے لیے یہ ایک اعزاز ہے اور شاید یہی اعزاز میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔

محترم!

اس سلسلے میں مجھے آپ کی ضرورت درپیش ہے، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنے مضمون میں جن تاریخی کتب کے صفحات کا حوالہ دیا ہے، اگر آپ مجھے

ان متعلقہ صفحات کی نقل فراہم کر سکیں تو شاید مجھے مقصد میں کامیابی نصیب ہو۔ ساتھ ساتھ ان کتب کے سرورق کی نقول بھی ممکن ہوں تو فراہم کر دیں، یا پھر اس کے علاوہ کوئی مستند حوالہ موجود ہو تو براہ کرم ارسال کریں۔ اس کے لیے راقم آپ کا شکر گزار ہوگا۔ امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ (ج۔ ا۔ خ)

محترمی جناب.....!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ساتھیوں کے ذہن میں جو سوال پیدا ہوا یہ پچھلے دنوں ہمارے ملک کے بہت سے حلقوں میں اٹھتا رہا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے بعض قومی سطح کے رہنماؤں حتیٰ کہ بعض نامور صحافی اور دانشوروں نے جو تحقیق اور جستجو کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں، تاریخی مآخذ سے مراجعت کی زحمت فرمائے بغیر اسے مولویوں کا پروپیگنڈا کہا۔ ان کے مطابق یہ دقیانوسی مولوی لوگوں سے ہنسنے کا بہانہ بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ تمام مسلمانوں سے خصوصاً لاہوری بھائیوں سے درخواست ہے کہ (۱) منسلک حوالے پچشم خود ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ جاہل مولوی انہیں تفریح سے روکنا چاہتے ہیں یا ایک گستاخ رسول کی نقالی سے روک کر عذاب الہی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی ہے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت ہندوؤں کا صدیوں قدیم تہوار ہے۔ عظیم جغرافیہ دان اور سیاح الہیرونی نے ۱۰۲۰ء میں ہندوستان کا سفر کیا ہندوؤں اس وقت بھی یہ تہوار مناتے تھے جسے آج کل ہمارے محققین جشن بہاراں قرار دے رہے ہیں۔ دوسرے سے اس کا پورا پس منظر سامنے آتا ہے اور تیسرے سے اس راز سے پردہ اٹھتا ہے کہ سارے برصغیر میں صرف لاہوری میں اس رسم کا طوفانی زور کیوں ہے؟ یہ تحریر ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہے اور اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غازی علم دین شہید جیسے عاشق رسول کو جہنم دینے والے شہر کے باسی آج جناب

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ناپاک کھتری لوٹے کی یاد میں آسمان کو رنگ برنگ کر کے خود کو شفاعت نبوی سے کس بری طرح سے محروم کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فہم سلیم عطا فرمائے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

نت نئے تہوار، معاشرے کے خطرناک ناسور

ایک اور خطرناک رجحان یہ چل پڑا ہے کہ مغرب سے درآمد ہونے والے ہنگامہ شکنہ خیز اور ہماری مذہبی روایات سے متضاد قسم کے تہوار اور دن منائے جانے لگے ہیں۔ پہلے یہ سلسلہ اپریل فول تک محدود تھا، پھر نیو انیورٹ (نئے سال کا جشن) اور کرسمس کی تقریبات کی جھنجھٹا ہٹ اس طرح سنائی دینے لگی جیسے گندگی پر بیٹھنے والی لکھیوں کی ناگوار آواز ہوتی ہے۔ اب کی مرتبہ ویلنٹائن ڈے (عالمی یوم محبت) جیسی حیا سوز رسم کی شروعات ہوئی ہیں اور مشرق کے باقی جس طرح مغرب کی غلطیوں میں لتھڑنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ اگلے چند برسوں میں یہود و ہنود کی نقلی اتنی عام ہو جائے گی کہ قدرت کی طرف سے کسی بڑے عذاب کے بغیر نہ چھٹ سکے گی۔ عوام الناس دین داری کی ترغیب دینے والی آوازوں سے اتنی بے توجہی برت رہے ہیں اور بے دینی کی طرف اتنی شدت اور کثرت سے ان کا میلان ہو رہا ہے کہ معاملہ اب داعیان دین اور مبلغین و واعظین کے بس میں نہیں رہا اور ایسے وقت پھر انتظار کرنا چاہیے کسی ایسی فیملی آفت کا جو مستیوں کی لذت میں گم ہو جانے والے اور شہوت پرستی میں مدہوش لوگوں کو کان سے پکڑ کر سیدھا کر دے۔ دراصل دنیا اس وقت گچی روحانیت سے محروم ہے اور وسائل کی کثرت اور من پسند زندگی گزارنے کے باوجود انسان کی روح کو سکون نہیں مل رہا ہے، اس وجہ سے لوگ سکون کی تلاش میں ان میلوں تماشوں کا سہارا لیتے ہیں لیکن دل کا سکون اور روح کی تشفی تو رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہے، اس لہو و لعب سے حاصل ہونے والی عارضی خوشی اور

جھوٹی مسرت سے تسکین پانے کی کوشش کرنا خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور خود کو دھوکہ دینے والے جلد ہی ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی اکتا جاتے ہیں، اس وقت جو بے چینی اور بے کلی انسان پر مسلط ہوتی ہے اس کا مداوا پھر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔

چٹا کی بساند

بسنیت کے تہوار کو لے لیجیے تاریخ کے صفحات کھنگالیں تو آپ کو علم ہوگا کہ یہ آمد بہار کا جشن نہیں، ایک غلیظ ہندو کی چٹا سے اٹھنے والی تعفن کی بساند ہے۔ بہار تو اور بھی شہروں میں آتی ہے اور پاکستان میں ہی ایسے مقامات ہیں جہاں رُت بدلنے سے نشاط آوری و مناظر کی کثرت، اللہ کی قدرت کی یاد اور اس کی صنایع کے اعتراف کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اس معاملے میں لاہور ملک کے شمالی علاقہ جات کا مقابلہ نہیں کر سکتا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ لاہور میں ہی اس کا اتنا زور ہے کہ اس سال پاکستان کی تاریخ کی سب سے بڑی تقریب لاہور میں منائی گئی ہے اور لوگوں کو خود فراموشی کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے خواہشمند رباب اقتدار نے اسے سرکاری سرپرستی کے اعزاز سے نوازا ہے؟

بدنمایا مہر

”لہور کے“ شوقین مزاج اور میلے ٹھیلے کے دل دادہ تو ہوتے ہی ہیں، ہندوؤں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی اس زردی میں ہاتھ رنگنا شروع کر دیے۔ تقسیم ہند کے بعد سے رفتہ رفتہ اس رسم کے اصل پس منظر پر گرد بیٹھتی چلی گئی۔ اس کو ایجاد کرنے والے تو بھارت سدھار گئے لیکن ”زندہ دلان لاہور“ کو ایک ایسا مشغلہ ہاتھ آ گیا جس میں انہوں نے طرح طرح کے اضافے کر کے اسے اپنی پہچان بنالیا ہے۔ بسنتی لباس، بسنتی پکوان اور بسنتی میلے سے ہوتے ہوئے بات اب بین الاقوامی سطح کی تقریبات پر پہنچ گئی ہے۔ اس مرتبہ کی ہنگامہ خیزیاں دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ تقریبات رسم نہیں خبط اور جنون بن گئی ہیں اور ہمارے لاہوری

بھائیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ لذت کوشی جب وقتی لغزش سے بڑھ کر جنون کی حد کو پہنچ جائے اور جب لہو و لعب چند افراد کی نادانی سے بڑھ کر پوری قوم کی شناخت بن جائے اور اس سے منع کرنے والوں کی نصیحت پر کان نہ دھرا جا رہا ہو تو تنگونی قانون کے تحت قدرت کے فیصلے ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اور جشن برپا کرنے والوں سے تعزیت کے دو بول کہنے والا بھی کوئی نہیں رہتا۔ زندہ دلی اسی قدر ہونی چاہیے جتنی کی شریعت احکامات دے اور جو فطرت کے قوانین سے متصادم نہ ہو، ورنہ وہ زندہ دلی نہیں، مردہ ضمیری ہے جو زندہ درگوری کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

بعض لوگ اسے خوشی کا بہانہ اور موسم بہار کا استقبال جیسے پر فریب نام دے کر ہندو جواز عطا کرنا چاہتے ہیں مگر متعصب اور مسلم دشمن ہندو لیڈر بال ٹھا کرے کے نظریہ بیان نے جہاں لاہوریوں کی غیرت کو لکا رہا ہے، وہیں ایسے نام نہاد دانش وروں کی باطل نوازی اور حقیقت کشی پر بدنمائیہ مہر لگا دی ہے۔

پاکستان میں بسنت کا انعقاد ہندو مذہب کی کامیابی ہے

مرنے والے ہمارے شہید ہیں، مسلمان ہندو ثقافت اپنا
لیتے تو لاکھوں زندگیاں بچ جاتیں۔ بال ٹھا کرے (ضرب
مؤمن جلد ۵، شمارہ ۹)



اس لمحے کی تلاش

یہ پچھلے سال کی بات ہے، ہندہ کو پنجاب کے کسی شہر سے ایک نوجوان کا خط موصول ہوا جس کا حوالہ سابقہ مضمون میں دیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو بسنت کے تہوار کا ہندو دھرم اور تہذیب سے تعلق تاریخی حوالوں سے بیان کیا جائے۔ ہندہ کے مضمون میں ایک سے زیادہ تاریخی حوالے موجود تھے لیکن اس نوجوان کی اپنے دوستوں کے ساتھ حجت ٹھہر گئی تھی کہ اگر وہ مستند ثبوت پیش کر دے تو وہ ”مولویوں“ کی بات مان لیں گے ورنہ نہیں۔ ہندہ کو خود بھی اندازہ تھا کہ دعوتِ انوار علیہم السلام کے اصول اور علمِ بلاغت کے قواعد کے تحت جو بُرائی معاشرے میں جس قدر رائج ہو اس سے بچتے اور اسے چھوڑ دینے کی ترغیب اتنی ہی مؤثر اور پور انداز میں دینی ہوگی ورنہ یہ انسانی نفسیات کے تقاضوں اور دعوتِ دین کے مسلمہ اصولوں سے انحراف ہوگا اور ہمارے لاہوری بھائی اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے شہروں کے باسی جس طرح بے خود ہوئے جا رہے ہیں ان سے ہمدردی اور خیر خواہی کا حق ادا نہ ہو سکے گا لہذا اس نوجوان کو تمام دستیاب حوالہ جات کا ٹکس روانہ کر دیا گیا اور چونکہ اس وقت تک بسنت اپنی زردی پیچھے چھوڑ کر گزر چکا تھا اس واسطے اخبار میں ایک دو حوالے شائع کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ اس وقت دل میں یہ مصمم ارادہ تھا کہ آئندہ سال ”بسنیت فوبیا“ کے زور پکڑنے سے پہلے برادرانِ اسلام کو اس گناہِ عظیم کی حقیقت..... جو کئی کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ غیرتِ دینی اور حُبِ نبوی کے بھی منافی ہے..... سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی جائے گی۔

سال کے دوران اس موضوع سے متعلق مستند، شہوس اور ناقابلِ انکار حقائق کی تلاش جاری رہی جو کچھ میسر ہو سکا، مرحلہ وار صاحبِ دل قارئین کی نذر ہے۔ بسنت کا نام نہا تہوار

اگرچہ بہت سے مفاسد، گناہوں، جانی و مالی نقصانات اور ناگفتنی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن ہم اس سلسلہ وار مضمون میں اس کو ہندوانہ تہوار اور ایک گستاخ رسول کی یادگار ثابت کرنے پر توجہ مرکوز رکھیں گے تاکہ اسے کھیل تفریح سمجھنے والے ہمارے مسلمان بھائی جان سکیں کہ وہ ہنسی ہنسی میں کیسا وبال اپنے سر لے رہے ہیں؟ بندہ نے برادر م یاسر محمد خان صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس موضوع کو وقت دیں اور اپنے مخصوص انداز میں اس حقیقت کو اہل اسلام کے سامنے آشکارا کریں۔ موصوف نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے ”بہشت کی حقیقت“ کے عنوان سے ایک تحقیقی اور تفصیلی مضمون تحریر کیا جو بندہ کے سلسلہ وار مضامین کے بعد کتاب کی زینت بنا ہے۔ بندہ کو گزشتہ سال علم ہوا کہ بہشت پر بعض صاحب دل مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں کتابچے شائع کروا کر تقسیم کیے۔ اس مضمون میں ترتیب سے حوالہ جات کا ٹکس پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین کے ہاتھ میں ایسا ثبوت ہو کہ وہ جس صاحب ایمان کو دکھائیں وہ ایک لمحے کے لیے چونکے ضرور... ممکن ہے کہ یہ لمحہ قبولیت کا ہو اور اس کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔

اس موضوع کے تین حصے کیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ بہشت خالص ہندوانہ تہوار ہے اس کو ہندوؤں نے ایجاد کیا تھا اور یہ صدیوں سے ان کی ”عید“ اور مسرت و خوشی کا دن چلا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لاہور میں بہشت کا میلہ ایک گستاخ رسول کے قتل کے بعد اس کی سادھی پر اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اہتمام کیا گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی چنانچہ ہندو مکمل کر ایسا نہ کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس جگہ کو بہشت میلہ کا مرکزی مقام قرار دے کر اس میلے کی آڑ میں توہین رسالت کے مرتکب مجرم کو بہرہ کے طور پر یاد رکھنے کی کوشش کی اور ہمارے نادان بھائی ان کی دیکھا دیکھی اس ناروا عمل کا حصہ بن رہے ہیں۔ تیسرے حصے میں تاریخی حوالوں کی روشنی میں اس امر سے بحث کی جائے گی کہ مسلمانوں میں اس کا رواج کیسے ہوا؟ تو اس سلسلے میں کتاب کے آخر میں آپ دو عبارتوں کا

عکس ملاحظہ فرمائیں۔ پہلی عبارت مشہور سیاح، مؤرخ، ریاضی دان اور مصنف ابوریحان البیرونی کی ہے جو ان کے قلم سے آج سے ہزار سال پہلے نکلی (البیرونی نے ۱۰۱۹ء اور ۱۰۲۰ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا) اور دوسری ۸۰ء کی دہائی میں لاہور کے قومی عجائب گھر کے ڈائریکٹر کی لکھی گئی تحقیقی کتاب سے لی گئی ہے۔

اے زندہ دلان لاہور

مستند اور مایہ ناز مؤرخ و ریاضی دان البوریحان البیرونی چند واندہ رسوم اور تہواروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مہینے (یعنی بیساکھ) میں استواء ربیعہ ہوتا ہے جس میں ہندو "عید بسنت" مناتے ہیں۔ یہ عبارت ان محقق مؤلف کے قلم سے ہندوستان اور یہاں کے باشندوں کے حالات پر عرق ریزی سے لکھی گئی کتاب سے ماخوذ تھی۔ البیرونی نے آج سے تقریباً ہزار برس پہلے ہندوستان کا سفر کیا تھا اور یہاں کے باشندگان کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، علوم و فنون اور مذہب و فلسفہ کے متعلق معلومات کو ہندوؤں کے مشہور پندتوں کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا تھا۔ اس عہد کے برصغیر کے بارے میں آپ کی تحقیقات مؤرخین کے ہاں منفرد، ممتاز اور مستند درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فکر و نظر اور تدبر و تحقیق کی یہ راہ اختیار کی کہ جن مباحث کو اپنا موضوع نظر قرار دیا انہیں خود ان کے اصل مآخذ سے حاصل کرنے کی کوشش کی، اس غرض کے لیے متعلقہ زبان سیکھی اور اس موضوع کے علماء کی صحبت اختیار کی۔ اسی وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستان کے بارے میں آپ کی تحقیقات کو "بے داغ" قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ پوری زبان عربی کی علمی تاریخ میں البیرونی کا مقام ایسا منفرد ہے کہ وہ بجا طور پر الفارابی اور ابن رشد کی صف میں جگہ پانے کا مستحق ہے بلکہ اس اعتبار سے ان کا کام بلند تر ہے کہ آپ ہندوستان کی زبان و معاشرت سے واقف اور یہاں کا سفر اور طویل قیام کر چکے تھے جبکہ اول الذکر دونوں حضرات اپنے اس بلند علمی کام کے باوصف جو انہوں نے یونانی علوم و فلسفہ کے حوالے سے کیا، یونانی زبان و تہذیب سے واقف نہ تھے، نہ ہی انہوں نے یونانی معاشرے کا براہ راست مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا۔ بات لمبی ہو گئی کہنے کی غرض یہ تھی کہ البیرونی کی یہ شہادت مستند، بے غبار اور ناقابل تردید ہے کہ بسنت کا

تہوار ہندوؤں کا مخصوص تہوار ہے جو ہزاروں سال سے ان کی عید کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے اور اس دن ان کے ہاں طرح طرح کے کھانے پکانے کا کرہ برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ اے ہمارے لاہوری بھائیو! ذرا غور کرنا بسنت کے پکوانوں سے دسترخوان سجا کر تم کس کے طریقے کو زندہ کرتے ہو؟ دوسرے حوالے پر تبصرے سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ "استواء ربیعہ" جو البیرونی کی عبارت میں "عید بسنت" کے دن کی تعیین کے طور پر استعمال ہوا ہے، کسے کہتے ہیں؟ سورج سال میں دو مرتبہ خط استواء پر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سردیوں کے اختتام اور بہار کے آغاز پر، اس کو "استواء ربیعہ" کہتے ہیں۔ رجب بمعنی بہار۔ دوسری مرتبہ گرمیوں کے اختتام اور خزاں کے آغاز پر، اسے استواء خریفی کہتے ہیں۔ خریف بمعنی خزاں۔ پہلا استواء ۲۱ مارچ کو اور دوسرا ۲۱ یا ۲۲ ستمبر کو ہوتا ہے۔

اب گزشتہ مضمون کے دوسرے حوالے کی طرف آئیے۔ عصر حاضر کا ایک تحقیق کار پنجاب کی رسموں کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "رزمیے گانے والے پیشہ ورا داکار ہوں، بسنت اور دسہرہ جیسے تہواروں پر سوانگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر ایسے سوانگ کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کر کے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارنا ہوتا ہے۔" یہ ہیرو کون تھا؟ اور اس کا سوانگ بھرنے سے کون سے مذہبی جذبات کو ابھارنا مقصود تھا؟ یہ اسی کے بعد اگلے حیرا گراف میں بتایا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا کہ اگر بسنت فی الواقع ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے تو جو علاقے ہندو مذہب کا گڑھ ہیں ان کی بنیاد میں اس کا زور و شور اور دھوم کیوں ہے؟

بیز اس اقتباس کو پڑھ کر اپنی ایمانی غیرت سے پوچھیے کہ بسنت کے دن کوٹ خواجہ سعید میں گاڑے جانے والے ایک بے ادب منہ پھٹ ہندو لڑکے کی سادھی پر جمع ہو کر ہندوؤں نے پنجاب کے لوگوں کو کیا سبق دینا چاہا تھا؟ اور ہم اس جاہلانہ اور احقانہ رسم کو منا کر کس طرح مسخری کا سامان بنے ہوئے ہیں؟ مصنف لکھتا ہے:

”حقیقت رائے بھی سیالکوٹ کے باغ مل کا بیٹا تھا۔ جسے بہشت چمپی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ اس کی سادھی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت وہاں ہر سال بہشت چمپی کے موقع پر بڑا زبردست میلا لگتا تھا۔ ان تینوں سوانگوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص و ہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے، گوپی چند کی طرح دنیا کے ناپائیدار عیش و آرام کو ٹھکرا دینا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح تعصب اور نا انصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینا بہتر ہے۔“

(پنجاب، تمدنی و معاشرتی جائزہ، ڈاکٹر انجم رحمانی، ص ۴۲۶، الفیصل، ناشران، داتا جران کتب لاہور)

مجھے اے زندہ دلان لاہور! اس میلے ٹھیلے کا مطلب؟ ایک گستاخ رسول ہندو کو تو ہیں رسالت کے الزام میں قتل کیے جانے کو، تعصب اور نا انصافی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جان دینے کا نام دے کر گائے کے پجاری ہمیں کیا سکھانا چاہ رہے تھے؟ اور ہم بغیر سوچے سمجھے ان کی کس ”نصیحت“ کو بنا لگا رہے ہیں؟ اگر ابھی آپ نہیں سمجھ پائے تو دھرمزید حوالوں کا عکس ملاحظہ کیجیے۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ حقیقت رائے کون تھا؟ اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا تھا؟ بہشت کے دن کا اس کی سادھی پر کیے جانے والے میلے سے کیا تعلق تھا؟ اور لاہور میں ہر سال یہ زرد بخار کیوں آتا ہے اور اپنے ساتھ کیا کچھ سمیٹ کر اور پیچھے کیا کچھ چھوڑ کر جاتا ہے؟ پہلا حوالہ ایک ہندو مؤلف کا ہے جو گھر کے بھیدی کی شہادت ہے اور دوسرا انگریزوں کے دور میں لاہور پر لکھنے والے ایک مشہور مؤرخ کی شہرہ آفاق تصنیف ”Lahore it's History Architectural remains & Antiquities“ کے اردو ترجمے سے لیا گیا ہے۔ ان دونوں کو اپنے طور سے پڑھیے، ہم فی الوقت اس پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کرتے تاکہ بڑا ٹکڑا کے شوقین ہمارے ”لاہوری“ بھائی خالی الذہن ہو کر خود سے کوئی فیصلہ کر سکیں۔



دیوی کا پجاری دیوتا

لاہور سے آمدہ خبروں کے مطابق ”کشتگان بہشت“ میں اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔ زندہ دلان ہم وطن موج میلے میں مست ہو کر پہلے آپے سے باہر ہوتے ہیں پھر انسانیت و اخلاق سے..... اور آخر کار زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں جس کی محدود مہلت اور گنی چنی گھڑیاں انہیں موت کی سختی، قبر کی وحشت انگیز تنہائی اور حشر کی حواس گم کر دینے والی پریشانی سے بچنے کی تیاری کے لیے دی گئی تھیں۔ خبریں گرم ہیں کہ بہشت کے عفریت نے اس سال بھی کئی کارآمد جوانیوں کی بھیشت لی ہے، سینکڑوں کو چھت سے براہ راست زمین پر پٹکا کر ہاتھ پاؤں سے ناکارہ کر دیا ہے، دشمن کے زرنے میں آئی ہوئی مسلم اُمہ کے نوجوانوں کو رات بھر جگائے رکھا ہے۔ اڑتیس ملین ڈالر کی مقروض قوم نے..... جس کے متعلق یہ سوالات اٹھائے جا رہے ہیں کہ اس پر جج و قریبانی فرض ہے یا نہیں؟..... لاکھوں کروڑوں روپے ڈوروں پر چڑھا کر پھونک دیے ہیں۔ مسلمان آبادیوں کے اوپر تنا آسمان جو کبھی ایمان کی روشنی سے منور اور ذکر و عبادت کے انوار سے سجا ہوتا تھا، اخلاقیات سے گرے ہوئے نعروں اور رنگ برنگے گڈے گڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط ہے، رنگین روشنیوں کا سیلاب اور شور و غوغا کا ایسا طوفان ہے جس میں مشرق کی روایات مغرب کے ریلے میں پے چلی جا رہی ہیں۔

غضب یہ ہے کہ ان اخلاق سوز حرکات کو زندہ دلی کا نام دے دیا گیا ہے۔ کاش! کوئی صاحب حال مغربی ثقافت کی یاغار کا شکار ہماری قوم کو بتائے کہ زندہ دلی کس چیز کا نام ہے؟ ہم لوگ نہ تو زندگی کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ قلب اور لطیفہ قلب کی حقیقت۔ دل چونکہ

اعضاء باطنہ میں سے ہے اس لیے اس کی زندگی اور مردنی کے بارے میں کوئی صاحب باطن ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ ہنسی تفریح میں حد سے گزرنے کے شائق تو خود نفس پرستی کی سیاسی سے آلودہ ہوتے ہیں ان کو کیا خبر کہ ”دل کی دنیا“ کے احوال و کیفیات اور واردات و مقامات کیا ہوتے ہیں۔ صاحب دلوں کے بادشاہ جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: ”جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ کرے گا اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دل مردہ ہو جائے گا“ (طہرانی، ابن ماجہ) دل کی زندگی یہ ہے کہ اسے خیر کی توفیق ملتی رہے اور اس میں شر سے اجتناب کا حوصلہ و ہمت رہے اور اس کی موت یہ ہے کہ ہمیشہ کی زندگی میں کام آنے والے اعمال میں دل نہ لگتا ہو اور جو کام قبر کی اندھیری کھائی اور میدانِ حشر کے وحشت ناک صحرائیں حسرت و ندامت کا باعث بنیں گے ان میں بے تحاشہ مشغول رہنے کے باوجود جی نہ بھرے۔ موج میلے کے شوقین و صوم دھڑکوں میں مست رہنے والے اور ہا ہو سے تسکین پانے والے تو نفس کے غلام ہوتے ہیں، وہ کیا جانیں دل پر کن چیزوں سے مردنی چھاتی ہے اور کون سی چیزیں اسے حیات جاودا بخشتی ہیں۔ بوریت سے پیچھا چھڑانے کے لیے بنا ٹکڑا کے موقع تلاش کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر وہ تفریح کے لیے ان چیزوں کا انتخاب کریں گے جو گناہوں سے آلودہ ہوں تو پھر کسی مشکل گھڑی میں ان کا رفیق و ہمگسار کون ہوگا اور وہ اس وحشتناک بوریت سے کیونکر پیچھا چھڑا سکیں گے جو قبر کی تنہائیوں میں ان پر مسلط ہوگی؟

کیا بسنت صرف ایک موسمی تہوار ہے؟

بعض مہربانانِ گرامی نے ”کمنٹس پاس“ کیے ہیں کہ ”بسنت ایک موسمی تہوار ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔“ حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آنے شروع ہو گئے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں؟ کیا اسلام منسوخ اور منسوخ شدہ ادیان کی طرح کوئی جزوقتی مذہب ہے جو ہفتے کے مخصوص دن یا سال کے چند تہواروں کے

ساتھ مخصوص ہے؟ کیا ہم اب اس مرحلے کو پہنچ گئے ہیں کہ اپنے آفاقی مذہب کو جامع نظریہ حیات سمجھنے سے بھی دستبردار ہو جائیں محض اس لیے کہ خوشیوں کو نچا کر رنگ جماسکیں؟ کیا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو شاندار اور پر وقار تہوار نہیں دیے کہ اب ہمیں اڑوس پڑوس سے موسمی تہواروں کو مستعار لینے کی ضرورت پڑ گئی ہے؟

پھر اسے موسمی تہوار کہہ کر بات کو ٹالنے کی ادا بھی خوب ہے۔ بالفرض بغرض بحث تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ موسمی تہوار ہے لیکن یہ بات مان لینے سے معاملہ اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے اس واسطے کہ پھر تو یہ بات کچی لٹکی ہو جائے گی کہ یہ غیر مسلموں کا تہوار ہے کیونکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو تہوار منانے کا حکم دیا ہے ان سب کا تعلق موسمی رست کی تبدیلی سے نہیں، کسی نیک اور با مقصد عمل سے ہے، حتیٰ کہ اسلامی سال کی ابتدا بھی ہجرت کے پُر مشقت عمل پر رکھی گئی ہے نہ کہ ولادتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم اور مقدس واقعے پر۔ اسلام عملی مذہب ہے۔ اس نے ہر لمحے انسانیت کو کسی عمل خیر کی دعوت دی ہے اور تخلیقِ انسانیت کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنے کے لیے تمام اہم دنوں کو کسی اہم عمل کے اختتام یا آغاز سے جوڑا ہے۔ کائنات میں ہونے والی فطری تبدیلیوں، دن رات کے آنے جانے اور موسموں کی تبدیلی کے آثار پر غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے تو اس لیے کہ اہلِ انسان کے دل میں معرفت کی کوئیل پھونٹ سکے اور وہ عمل خیر کی طرف راغب ہو جائے۔ بسنت کا میلہ اگرچہ موسمی تہوار ہے مگر اس موسم میں یہ تہوار دیوی دیوتاؤں کے پجاری منایا کرتے ہیں اور لاہور میں اس کا منایا جانا تو انتہائی خطرناک پس منظر رکھتا ہے۔ اس شہر میں اس تہوار کا زور پچھلے سکھوں کے عیاش حکمران رنجیت سنگھ کے ہاتھوں ہوا پھر ہندو عوام نے توہینِ رسالت کے مرتکب ایک گستاخ چھو کرے کو ہیر و کا درجہ دینے کے لیے زور و شور سے منانا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سکھ ہٹ گئے، ہندو پیچھے رہ گئے اور رسم پرستی کا یہ جھنڈا سادہ لوح مسلمانوں نے تھام لیا۔

ممکن ہے ماڈرن طبقہ یہ بات تسلیم نہ کرے۔ ہمارے دانشور بھی ہم مولویوں کی کتابی تحقیق کو اہمیت نہ دیں، ان کے خیال میں یہ انسائیکلو پیڈیا کی سی ڈیز اور انٹرنیٹ کے ذریعے کی جانے والی "سائنٹیفک ریسرچ" کا دور ہے جو بات بھی "کوڈ" کی جائے اس کے ساتھ "ریفرنس" ضرور ہونا چاہیے اور ریفرنس ان حوالہ جات کا معتبر ہے جہاں تک کسی مٹا کی پہنچ نہ ہو۔ اس مرتبہ ایسا ذہن رکھنے والے کلمہ گو بھائیوں کے لیے ہم نے انٹرنیٹ کے بعض مشاق غوطہ خور ساتھیوں کو تکلیف دی تھی۔ انہوں نے اس پتہ در پتہ چال سے جو کچھ نکالا وہ پیش خدمت ہے۔ رنگوں کی دنیا میں رہنے والے روشن خیال ہم وطن اس کا مطالعہ کریں اور سوچیں کہ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے والے اس تہوار کو کیونکر مذہب سے لا تعلق قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو حضرات انگریزی کی اصل عبارت دیکھنا چاہیں وہ ان سائٹس پر جاسکتے ہیں۔

WWW.MANTRAONNET.COM/BASANT-PANCHAMI.HTML
WWW.HINDUONNET.COM/THEHINDU/MAG/200203/17.STORIES

2002031700160200.HTM

ذیل میں دیا گیا ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہے۔ اس میں کسی قسم کا اضافہ یا قطع برید نہیں کی گئی۔ ساتھ ہی کتاب کے آخر میں دو مزید کتابوں کے مندرجات کا عکس ملاحظہ فرمائیں جن میں سے ایک کو "لاہوریات" پر انسائیکلو پیڈیا تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسری نئے لکھنے والوں میں سے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے مصنف کی ہے جس کی بات ان لوگوں کے لیے بھی مسوع ہونی چاہیے جو جرمہ نشین مولویوں کی ہر بات میں شدت پسندی، خشک فکری، طبعی جمود یا اس سے ملتا جلتا کوئی پہلو نکال کر اسے رد کر دینے کا مزاج بنا چکے ہیں۔ اب آپ انٹرنیٹ سے لی گئی معلومات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ باقی باقی۔

"بسنیت" چھٹی درحقیقت ایک ہندوانہ تہوار ہے جو کہ ہندو بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ جب کھیت میں چاروں طرف پیلے پھولوں لہرانے لگتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ تہوار

کا وقت آ گیا ہے۔ موسم بہار کا تہوار صحیح معنوں میں ہندو اپنی دیوی سرسوتی کی تعظیم میں مناتے ہیں۔ جب ہیرپک کر پیلے ہو جاتے ہیں، ڈھاک اور اشوکا اپنے عروج پر ہوتے ہیں تو پھر خاص طور پر طالب علم ان کے علم کی دیوی سرسوتی کو اور دوسری دیویوں یعنی ذہن کی دیوی، آزادی کی دیوی اور تمام دیوتاؤں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے لیے یہ موسم اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ ان کے دیوتا کرشنا نے خود کہا کہ یہ پھولوں کا موسم ہے۔ بسنت چنی چاند کی پانچویں تاریک رات، فروری کے مہینے میں منائی جاتی ہے، دراصل یہ تہوار صرف اور صرف سرسوتی دیوی کی پوجا کے لیے ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق دیوی سرسوتی کی مہربانی سے انسان خود کو پہچاننے لگا ہے بلکہ انسان تو انسان دوسرے دیوتا بھی اپنے آپ کو پہچاننے لگے ہیں۔ اسی کی وجہ سے اچھی اور بری چیزوں میں پہچان ہو رہی ہے۔ اس طرح سے ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار بن گیا جس میں کہ چاروں طرف پھولوں کی خوشبو مہکتی ہے اور صندل کی تیز خوشبو پھیلی ہوتی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہندو برہمن اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل کراتے ہیں اور ان کا جو دیوتا کرشنا ہے وہ بھی دیوی سرسوتی کی پوجا کرتا ہے {یہ بھی ہندوؤں کے مذہبی داستان طرازوں کا کمال ہے کہ دیوتا سے بھی دیویوں کی پوجا کر دے جھوڑی۔ راقم} کیونکہ ان کے مطابق اس کی وجہ سے وہ سولہ فنون اور دوسری باتوں کا ماہر ہوا تھا حتیٰ کہ آج کل کے جدید دور میں بھی غالباً بنگال میں بچوں کی تعلیم اس دن سے شروع کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس دن سے تعلیم شروع کرنے سے دیوی سرسوتی کی مہربانیاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ پچھلے عہدوں میں اس وقت کے بادشاہوں نے اس دیوی کے سلسلے میں ادبی مباحثے ترتیب دیے۔ اس میں شاعروں، ادیبوں، تمثیل نگاروں کو مبارک باد اور انعامات دیے گئے۔ اور اسی تہوار میں کالی داس (بطور تمثیل) لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہندوؤں کے ہاں اس بسنت تہوار کا ایک تکنیکی مقصد یہ بھی ہے کہ یہ غذا اور کپڑوں کی

تبدیلی کی اطلاع ہے کیونکہ جیسے جیسے بسنت کا وقت قریب آتا ہے تو جسم میں قوت بڑھتی ہے اور خون بڑھتا ہے۔ اس میں جنسی رجحان بہت ہوتا ہے اس لیے اس وقت کے کھانوں میں بہت زیادہ مصالحہ جات کا استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اس مناسبت سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

ہندوؤں کے دھرم کے مطابق بسنت تہوار ان کے لیے بہت اہم ترین دن ہے اور اس کا منانا ان کے لیے مذہبی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تہوار زیادہ تر پنجاب اور شمالی علاقوں میں فصل کٹ جانے پر منایا جاتا ہے اس روز لوگ زرد کپڑے پہنتے ہیں اور پیلے چاول کھاتے ہیں۔ بھنگڑا ناچ اس تہوار کا خاص حصہ ہے۔“



چنے کا جھاڑ

ہم زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ رائے ونڈ اجتماع میں شرکت کے لیے گئے تو ہمارے ساتھ گئے ایک طالب علم کو اپنے چچا سے ملنا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق وہ ”مہینہ طور پر“ اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ساتھی نے ان سے ملنا بھی تھا اور دستور کے مطابق گھر سے آئے ہوئے کچھ ”سوال جواب“ تھے جو اس نے وصول کرنا تھے۔ مشکل یہ آن پڑی تھی کہ وہ بچپن سے ان کو ”ماسٹر چچا“ کہہ کر پکارتا تھا اور ان کی یہ عرفیت خاندان بھر میں اتنی مشہور تھی کہ ان کا اصل نام بڑوں کو معلوم ہو تو ہو، چھوٹوں میں سے کسی کو یاد تھا نہ معلوم۔ اس واسطے وہ امیر صاحب سے اجازت لینے کے باوجود مجھے میں تھا کہ وہ ان کے حلقے میں ان کو پوچھے گا کیونکہ اور اتنے لوگوں میں نام کے بغیر ان کو کس طرح تلاش کرے گا؟ اس نے اپنی اس پریشانی کا ذکر بندہ سے کیا اور تلاش کی اس مہم میں ساتھ چلنے لگی درخواست کی۔ بندہ ساتھ ہوا لیکن اس دن ہمیں اس حلقے کے ہر بانس کے پاس جس پر لطف شرمساری کا سامنا کرنا پڑا وہ آج تک مزہ دیتی ہے۔ اب ہمارے اس دوست کے چچا کوئی امتیاز ملی تاج والے ”چچا چھکن“ تو تھے نہیں کہ خلقت خدا ان سے متعارف ہوتی۔ اس علاقے کے لوگ حیران تھے کہ یہ کیسے پھر پیلے مستک (گھوسے ہوئے دماغ) والا طالب علم ہے کہ اس کو اپنے چچا کا نام تک نہیں معلوم۔ ہماری سراغ رسانی کے محور محترم چچا صاحب کی لال ڈاڑھی بھی تھی لیکن اس دن ہمیں ”عموم و خصوص مطلق“ کی وہ مثال سمجھ میں آئی جو منطق کے استاذ گرامی آسانی کے لیے بتایا کرتے تھے کہ ایک شخص کسی گاؤں میں لال ڈاڑھی والے شاہزادہ کو پیغام دینے گیا اور ”مرسل الیہ“ کے پورے نام و عرفیت کی جگہ لال ڈاڑھی کی شناخت یاد کر لی۔ اب اس گاؤں میں جو بھی لال ڈاڑھی والا ملتا وہ اسے روک کر پیغام

سنائے کی کوشش کرتا اور جواب میں جھڑکیاں سنتا۔ اس لیے کہ شاہ شاد کی تو لال ڈاڑھی تھی مگر ہر لال ڈاڑھی والا شاہ شاد نہیں ہوتا۔

رائے ونڈ کے جم غفیر میں اس دن ہم اپنی مطلوبہ شخصیت تک کس طرح پہنچے؟ یہ الگ کہانی ہے۔ اس وقت اس واقعے کی یاد اس طرح آئی کہ بعض قارئین نے شکوہ بھیجا ہے کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن بسنت ٹہمی کی لغوی تحقیق بیان ہوئی ہے نہ اس کے صحیح تلفظ اور موقع استعمال کی وضاحت کی گئی ہے گویا کہ کوئی پنے کے جھانڈ پر چڑھ گیا ہے لیکن اسے ابھی یہ نہیں معلوم کہ پنے کی تیل ہوتی ہے یا پودا؟ سو ایسے محترم حضرات کے لیے اس مرتبہ جس کتاب کا عکس منتخب کیا گیا ہے^(۱) اس میں ”بسنٹ اور ٹہمی“ دونوں الفاظ کی مکمل تحقیق کے ساتھ اس بات کی تاریخی سند موجود ہے کہ ہندوؤں کا یہ مذہبی میلہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کیسے رواج پا گیا؟ (یاد رکھیے! بسنت غیر مسلموں کا موسمی یا قومی تہوار نہیں کہ اس میں شرکت دنیاوی تفریہوں کی طرح کچھ ہلکا حکم رکھتی ہو بلکہ یہ انکا مذہبی تہوار ہے۔ پچھلی قسط کا عنوان اسی بات کی طرف اشارے کے لیے منتخب کیا گیا تھا) ساتھ مسلک دوسرا حوالہ جس کتاب کا ہے اس سے لی گئی ایک عبارت کا عکس آپ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس کے مصنف کو تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ، مجسموں، سکوں اور نوادرات سے بھی دلچسپی تھی اور اپنی مجتہد سائنس طبعیت کی بدولت انہوں نے باریک بینی کو اپنا نصب العین بنایا اور احتیاط اور چھان بین کے بعد مبالغہ آرائی سے پاک اور مبنی بر حقیقت واقعات و حقائق بیان کیے ہیں۔ چنانچہ انگریز تحقیق کار بھی ان کی کتاب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”تاریخ پنجاب“ بھی ہے لیکن افسوس کہ اس میں انہوں نے اس موضوع کو نہیں چھیڑا لہذا اسی پہلی کتاب سے ایک دوسرے صفحے کا عکس پیش خدمت ہے یہ دونوں حوالے اس اعتبار سے جوڑی دار ہیں کہ ان میں سے پہلا ہندوستان کے مسلمانوں میں اس ہندوانہ رسم کے اپنانے اور دوسرا لاہور کے خصوصیت سے اس میلے کا مرکز اور گڑھ بن جانے کے تاریخی پس منظر سے آگاہی میں

۱۔ اس سے ”فرہنگ آصفیہ“ کا عکس مراد ہے جو آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہماری مدد کرتا ہے۔

ملک کے بعض مشہور اور نامی گرامی کالم نگار حضرات نے علماء کرام سے گزارش کی ہے کہ حضرات علماء کرام نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ کے علاوہ تفریح کو حرام قرار دیا ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس خطا کا بھی نتیجہ ہے۔ اگر ان کے پاس عوام کی تفریحات کے لیے کوئی پروگرام ہے تو براہ کرم اسے سامنے لائیں تاکہ جائز تفریحات کو ناجائز رنگ دینے والوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس بارے میں ہم اگلی مجلس میں کچھ عرض کریں گے۔



باخبروں کی بے خبری

پچھلی مجلس کے اختتام پر ذکر ہوا تھا، بعض نامور صحافی حضرات نے علماء کرام سے شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے آج تک نیزہ بازی اور گھڑ سواری کے علاوہ ہر تفریح کو حرام قرار دیا ہے اور آج عوام کی بے راہ روی ان کی اس خطا کا نتیجہ ہے۔ علماء کرام پر عوام کی طرف سے جو اشکالات ہوتے ہیں بندہ کا ذاتی تجزیہ اور بار بار کا تجربہ ہے کہ اس کی وجہ غلط فہمی، غلط اطلاع اور غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو جانا ہوتا ہے۔ عوام کو تو بے خبری میں مغالطے میں پڑ جانے کی رعایت دینے پر آدمی مجبور ہوتا ہے لیکن پڑھے لکھے حضرات جب ایسی کوئی بات کرتے ہیں تو بہت رنج ہوتا ہے کہ باخبروں کی بے خبری سے بڑھ کر افسوسناک چیز کوئی نہیں ہوتی۔ پھر جن لوگوں کا تعلق لکھنے پڑھنے یا علم و تحقیق سے ہے اور ان کی تحریریں لاکھوں لوگوں کے ذہن، نظریات اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں انہیں اس طرح کی بات کہتے وقت سو مرتبہ قلم کی اضافی سیاہی کو چھڑکنا پھر لکھنا چاہئے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کون سے کھیل جائز ہیں؟ تو علماء کرام نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ مروجہ کھیلوں میں سے ایک ایک کھیل کا حکم بیان کیا ہے اور جائز کے علاوہ پسندیدہ کھیلوں کی فہرست بھی دی ہے۔ ان کی پوری کوشش رہی ہے کہ حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے جس چیز کی اجازت ہو اس کی ضرورت گنجائش نکالی جائے۔ ان حضرات نے اس موضوع پر مفصل فتاویٰ کے علاوہ مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ساتھ میں ان اصولوں کو واضح کیا ہے کہ جن کے ذریعہ ہر انسان کسی نئے کھیل کے جائز و ناجائز ہونے کو پرکھ سکتا ہے۔ برادر گرامی مولانا اسلم شیخ پوری صاحب نے اپنے مضمون میں ان اصولوں کا خلاصہ دیا ہے لہذا ہم صرف آخر میں اس کتاب کا سرورق کا عکس دینے پر اکتفا کریں گے جو اس موضوع پر ایک مستند اور محقق عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بات

دھیان میں رہے کہ اس میں لکھے ہوئے جو کھیل فی نفسہ جائز ہیں وہ خارجی عوارض مثلاً نماز، روزہ چھوڑنے، ضروری مشاغل میں حرج پڑنے، جوار، سٹیکھیلنے یا کھیل کو مقصد بنا لینے کی وجہ سے ناجائز ہو جاتے ہیں۔

ان محترم صحافی کی دوسری گزارش تھی کہ علماء کرام کے پاس عوام کی تفریحات کا کوئی پروگرام ہے تو سامنے لائیں تو اس سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ ایسے پروگرام علماء کے بس میں نہیں۔ کیا قوم رنز کے فرضی پہاڑ کھڑے کرنے اور کروڑ ہا روپے خرچ کر کے ”مفت کی بدنامی“ مول لینے میں پہلے سر تا پا غرق نہیں کہ انہیں مزید پروگرام بنا کر دیے جائیں۔ اس وقت جب کہ عراق پر کسی بھی وقت صلیبی طیاروں کا غول حملہ آور ہو سکتا ہے اور پھر بھی لاہور کی فضا پتنگوں سے بھری ہوئی ہے، کس کا جگر ہوگا کہ تفریح کے پروگرام بنائے؟^(۱)

لاہور والو! اس ہیبت ناک وقت کو نہ بھولو جو ایک مرتبہ آ جاتا ہے تو ملتا نہیں اور تمہاری مست ملتکیاں دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ خدا انہو است کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک ہے بہشت کا تہوار، یہ صدیوں سے ہندو دھرم اور ہندو ثقافت کا حصہ ہے اور ایک ہے بہشت کے موقع پر لاہور میں گاڑے گئے ایک ہندو لڑکے کی سادھی پر (وہ جگہ جہاں ہندو مردے کی ہڈیاں دفن کرتے ہیں۔ یہ منحوس مقام آج کل کوٹ خولہ سعید کے قبرستان کے پاس موجود ہے۔ ۶۰ نمبر ویگن براستہ داتا دربار، چڑا منڈی اور اسٹیشن سے ہوتے ہوئے گوجر پورہ چوک سے گذر کر یہاں جاتی ہے۔ اس جگہ کا ایک نام مجید پورہ بھی ہے۔ اب مندر کا لورام یا حقیقت رائے کی مڑی سے مشہور ہے۔) ہونے والا میلہ۔ یہ آج سے ڈھائی سو سال قبل ۱۷۷۷ء میں شروع ہوا۔ پھر میلوں ٹیلیوں میں ہونے والے دیگر کھیلوں کے ساتھ رفتہ رفتہ اس میں موسم کی مناسبت سے چٹنگ بازی کے مقابلے شامل ہو گئے اور سارے شہر میں پھیل گئے۔ اچھی طرح پھر یہ فرق سمجھیے تاکہ تضاد باقی نہ رہے کہ بہشت مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے بھی پہلے منائی

۱۔ یہ مضمون اس وقت لکھا گیا جب امریکا عراق پر بمباری کے لیے برتول رہا تھا۔

جاتی تھی۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں طویل عرصہ خود مختار حکومت کی لیکن اسلامی تہذیب کے احیاء اور اسلامائزیشن کی کوشش نہ کی۔ مورخین کی تصریح کے مطابق جن ہندوانہ تہواروں میں مغل شہزادے اور بیگمات حصہ لیتی تھیں ان میں ہولی اور دسہرہ کے ساتھ بسنت بھی شامل تھی، لیکن یہ تہوار عیش پسند خواص تک محدود تھا پھر امیر خسرو کے ذریعے عوام میں پھیلا اور پھر لاہور میں اس میلے کا زور ہندوؤں کے ایک تفریح سے شروع ہوا جو انہوں نے بسنت کے دن ایک گستاخ لونڈے کے مرنے پر اس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کیا۔ گویا کہ بسنت کا تہوار ہندوؤں کی جنونیت کا مظہر ہے۔ اس فرق کی وضاحت کی خاطر اس مرتبہ مغلیہ دور پر لکھی جانے والی ایک کتاب سے عکس پیش کرتے ہیں۔^(۱)

دُہرائیں تہرا گناہ

بات یہ ہو رہی تھی کہ بسنت کا پس منظر اور تاریخی حقیقت کیا ہے؟ اب تک مختلف تاریخی حوالوں کی روشنی میں آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اس کی زردی کے نیچے کس طرح اندھیروں نے جگہ بنا رکھی ہے۔ ہندوؤں کے دھرم میں (آپ اسے ہندوانہ ثقافت اور ہندو تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں) تقریباً دو درجن کے قریب تہوار ہیں جو سال کے مختلف دنوں میں منائے جاتے ہیں۔ ہندو مصنفین نے ان تہواروں کی جغرافیائی کیفیت، مذہبی حقیقت اور تاریخی حیثیت پر بحث کی ہے اور ان کی متعدد تصانیف اس موضوع پر ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو بڑوں کے ان اختراعی تہواروں کو اپنی قوم کے لیے قابل قبول بلکہ باعث فخر ثابت کرنے کے لیے زور قلم صرف کرتے رہے ہیں۔ آج آپ ایسی ہی ایک کتاب کے صفحات کا عکس دیکھیں گے۔ یہ کتاب آج سے تقریباً سو سال پہلے چھپی تھی، بسنت پر لکھنے والے اس کے حوالے تو دیتے تھے لیکن اصل کتاب کہیں مل کر نہ دیتی تھی، کئی لاہریاں چھاننے کے بعد اس کا اصل نسخہ ہاتھ لگ سکا ہے جس کے متعلقہ صفحات کا عکس حسب وعدہ پیش خدمت ہے۔

اب تک جن کتابوں کا ہم نے عکس دیا ہے، ان کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

- پہلی قسم میں ہندوستان کے رسم و رواج پر لکھی گئی وہ قدیم تاریخی کتابیں آئیں گی جن میں ہزار سال پہلے ہندوؤں کی خوشی اور عید کے تہواروں کا تذکرہ ہے اور ان میں سے چلے آنے والا ”بسنٹ“ سرفہرست ہے۔

- دوسری قسم میں وہ کتابیں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاہور میں جو بسنت منایا جاتا ہے یہ دوسرے شہروں کی بسنت سے زیادہ خطرناک ہے اس

لیے کہ یہ محض ہندوؤں کے ساتھ میل جول کا نتیجہ نہیں، ورنہ دوسرے شہروں کے مسلمان بھی جو ہندوؤں کے ساتھ رہتے تھے اس کو اتنے ہی جوش و خروش سے مناتے، بلکہ یہ ہندوؤں کی ایک فریب کاری کے تحت مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے اور وہ یہ تھی کہ ہندو ایک گستاخ رسول لڑکے کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے مگر مسلمان سلطنت کی حدود میں ایسا نہ کر سکنے کے سبب یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کی سادھی پر بسنت کا میلہ منانا شروع کر دیا۔ اس لڑکے کو موت کی سزا اتفاق سے بسنت پٹی کے دن دی گئی تھی اس لیے کسی کو شبہ بھی نہ گذرا کہ ہندو اس میلے کی آڑ میں کیا کرنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ ان بد باطنوں نے مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اس تہوار کو تو جین رسالت کی یادگار کے منہوس ارادے کے تحت جوش و خروش سے منانا شروع کیا بلکہ اسے اتنا فروغ دیا کہ مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ جو شخص بھی انصاف کے ساتھ تاریخ کے صفحات پڑھے گا اسے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ یہ محض لاہوریوں کی زندہ دلانہ تفریح نہیں بلکہ اس کے پیچھے ہندوؤں کی مکار ذہنیت کا فرما ہے۔ لاہوریات پر لکھنے والے تمام مصنفین جب لاہور کے میلوں کا تذکرے پر پہنچتے ہیں تو بلا استثناء سب کے سب خود کو یہ کہنے پر مجبور پاتے ہیں کہ اس میلے کا مرکزی مقام ایک کھتری لونڈے کا مرگھٹ تھا جس کی راکھ ہمارے سادہ لوح مسلمان اپنے اوپر بکھیر رہے ہیں۔

اس موضوع پر کتابوں کی ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں اس بات کا کھوج دیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے دوسرے تہواروں کی بنسبت بسنت مسلمانوں میں کیوں زیادہ فروغ پا گیا؟ مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات کے موضوع پر کئی تحقیقی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں اہل علم نے نام بنام گن کر بتایا ہے کہ شادی اور غنموں کے موقع پر دین کی سمجھ نہ رکھنے والے مسلمان جو کچھ کرتے ہیں ان میں سے جہاں کچھ رسمیں ان کی جہالت کی پیداوار ہیں، وہیں بڑی تعداد ان رسوم کی ہے جو اپنی اصل سے ہندوانہ ہیں اور مسلمان نا سمجھی میں انہیں

اختیار کر کے دُہرے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں بلکہ دُہرے گناہ کا لفظ دوسری رسموں کے لیے تو درست ہے، بسنت کے لئے ”تہرے گناہ“ کا لفظ کہنا چاہیے۔

۱ ایک گناہ فضول جاہلانہ رسم کو اپنانے کا،

۲ دوسرے دشمن دین و ملت ہندوؤں کی نفالی کا،

۳ تیسرے گستاخان رسول کی دولتی حرکت میں ان کا ساتھ دینے کا۔

اس سلسلہ میں مزید آپ ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو خاص اس موضوع پر (یعنی مسلمانوں پر ہندو تہذیب کا اثر) لکھی گئی ہیں اور ہولی دیوالی کی طرح بسنت کے پس منظر سے بھی پردہ اٹھاتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر تفصیلی بحث سے گریز کیا ہے البتہ صرف اتنا مواد قارئین کی دسترس میں پہنچانے کی کوشش ہے کہ وہ خود بھی حق و باطل پہچان سکیں اور کوئی اس بارے میں اپنی تسلی کرنا چاہے تو اسے بھی تشفی بخش ثبوت دے سکیں تاکہ روز قیامت ہمارے زندہ دل برادران اسلام دیگر شکووں کی طرح علماء کرام سے یہ شکوہ نہ کر سکیں کہ انہوں نے ہمیں حقیقت حال سے لاعلم اور رسوم قبیحہ کے مضمرات سے بے خبر رکھا۔

وما علینا الا البلاغ!



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مولانا مجاہد الحسنی

ایک خبر کے مطابق لاہور میں ۶ اور ۷ فروری کو دو روزہ مسکن فیسٹیول منانے کی تیاریاں زور و شور کے ساتھ جاری ہیں۔ گزشتہ سال بھی حکومتی سرپرستی میں بسنت منایا گیا تھا، اس سال ان دنوں یہ عیاشی ہو رہی ہے جب کہ ایک اسلامی ملک عراق پر دشمن اسلام امریکا کی جانب سے قیامت خیز حملے کی تیاری ہے اور بعد ازاں ایران و پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی خبریں مل رہی ہیں۔ ”ثقافتی شو“ کے زیر عنوان یہ ”عیاشی“ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

امت مسلمہ کی تہذیب و ثقافت اور نظام زندگی غیر مسلموں سے قطعی مختلف ہے، اسی بنیاد پر یہ پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستانیوں پر مادی وسائل و ذرائع کے باب کھول دیے اور دولت و سرمائے کی اس قدر فراوانی ہو گئی ہے کہ اصحاب ثروت نے عیش کوشی اور سرمستی کی راہ اختیار کر کے عام لوگوں خصوصاً وسائل زندگی سے محروم افراد کے لیے جینا حرام کر دیا ہے اور لہو و لعب اور کھیل کود کا وہ طریق کار اختیار کر لیا ہے جو انسانی جان کا دشمن، دولت و سرمائے کے ضیاع کا موجب اور نظام زندگی مفلوج کر دینے کا باعث ہے۔ اس سلسلے کا خطرناک کھیل پتنگ بازی ہے جو موسم بہار کی آمد پر کھیلا جانے لگا ہے۔ اسلام نے کھیل کود اور اظہار مسرت و خوش طبعی پر کوئی قدغن یا پابندی عائد نہیں کی بلکہ اس کے لیے کچھ حدود و قیود اور ضابطے مقرر کر دیے ہیں، عید اور مسرت کے سلسلے میں حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے موقع پر جب

یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب سے اظہار مسرت کا یوم اور ان کی تقریب دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا ایک دن ہے اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے مسرت و شادمانی کے دو دن مقرر کیے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔

چنانچہ امت مسلمہ ان دونوں ایام پر اظہار مسرت و شادمانی کا خوب خوب مظاہرہ کرتی ہے اور پوری دنیا کے مسلمان ان دنوں میں کسی قسم کے غل غپاڑے اور بد تہذیبی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق نہایت شائستگی کے ساتھ ایام عید و مسرت مناتے ہیں۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں لیکن یہ انتہائی افسوسناک صورت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کا کھیل ”پتنگ بازی“ اب حکومتی تائید و حمایت اور اس کے ذریعہ ابلاغ کی ترغیب کے ساتھ تہذیب و شرافت کی حدود و قیود سے تجاوز کی صورت میں منایا جانے لگا ہے، اور بوبت بایں جا رسید کہ ہر سال سینکڑوں معصوم بچے اور جوان پتنگ بازی کے دوران اور اس کے شرعات (پتنگ) لوتے ہوئے مکانوں کی چھتوں سے گر کر بجلی کے تاروں میں الجھ کر اور تلانے کے تاروں سے پتنگ بازی کرتے ہوئے موت کی وادی میں چلے جاتے ہیں۔ اس کھیل کے باعث بجلی کی سپلائی بند ہو جاتی ہے اور کئی کئی گھنٹے تک علاقے تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اسپتالوں میں بجلی کی سپلائی نہ رہنے پر آپریشن تھیٹر میں کئی مریض ادھورے آپریشن کی صورت میں دم توڑ جاتے ہیں، غرضیکہ یہ کھیل نہ تو صحت افزائی کا موجب ہے نہ اس کے مادی فوائد ہیں، جس کھیل میں معصوم بچوں اور جوانوں کی اچانک موت کے باعث بے شمار ماؤں کے جگر گوشوں کی بینچیں ان کے سامنے آ جائیں، جن بوڑھوں کے جوان سہارے آنا فنا ٹوٹ جائیں ان پر جو گذرتی ہے وہی جانتے ہیں۔

بعض ”اعلیٰ“ حلقوں سے بھی یہ آواز سننے میں آئی ہے کہ موسم بہار کی آمد پر اظہار مسرت کی آزادی ہونی چاہیے، اگر موسم بہار کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کا اپنا کوئی انداز

اور کھیل نہیں ہے اور ہندوؤں کا ہی کھیل اپنا ضروری ہے تو ہولی کا تہوار ہے اس میں صرف ایک دوسرے پر ”رنگ افشانی“ ہوتی ہے۔ ملبوسات پر رنگ پھینک کر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اس میں جانوں کا نہیں صرف کپڑوں اور ملبوسات کا ضیاع اور نقصان ہوتا ہے، مادی اعتبار سے یہ کھیل پتنگ بازی سے ارزاں ہے، پتنگ بازی کے حامی سرکاری حلقوں کو اس سے کھیل کی افادیت کی جانب بھی توجہ دینے کی راہ نکالنی چاہیے کیونکہ دو قومی نظریہ پروان چڑھانے کی اب یہی صورت رہ گئی ہے۔

ٹوٹی پتنگ اور کارکی ڈگی

پتنگ بازی کی بات چل نکلی ہے تو اس سے متعلق مئی برصداقت تازہ لطیفہ بھی سن لیجیے: ایک بڑے سرکاری افسر نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ نئے ملی وقومی کھیل ”پتنگ بازی“ کے دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ باہر ایک کروڑ پتی نے اپنی ٹویونا کروڑا نئی ماڈل کی کار سے ابھی قدم باہر رکھا ہی تھا کہ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی پتنگ آ کر گری، اس نے وہ اٹھائی اور اپنی نئی ٹویولی کار کی ڈگی میں رکھ لی۔

سرکاری افسر کی بات سن کر میں نے کہا بھائی: جس شخص کی نشوونما کرپشن اور لوٹ مار کے ماحول میں ہوئی ہو وہ روپے دو روپے کی ٹوٹی پتنگ لوٹنے میں ایک چاشنی محسوس کرتا ہے، لوٹ کھسوٹ اب اس کی نگہی میں رچ بس گئی ہے، کیا آپ روز نہیں دیکھتے کہ گتے سے لدے ٹرکوں اور ٹرالیوں کے پیچھے کس طرح لڑکے اور نو جوان دوڑ دوڑ کر گنا کھینچنے کی کوشش کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ ساٹھ ستر ہزار روپے کے نئے موٹر سائیکل سوار بھی گنا لوٹنے کی کوشش کو ثواب سے بھی افضل سمجھتے ہیں، لوٹ کھسوٹ تو اب ہمارا قومی شعار اور ملی پہچان کا درجہ اختیار کر گئی ہے، کوئی ہے جو شمار کر کے بتائے کہ گنے سے لدے ہوئے تیز رفتار ٹرک یا ٹرالی سے ایک گنا کھینچ کر لوٹنے اور دو روپے اور پانچ روپے کی کئی پتنگ لوٹنے یا پتنگ کی ڈور سے سائیکل سوار لڑکوں، موٹر سائیکل سوار نو جوانوں کی شہ رگ کٹنے کے حادثات میں کتنے قہمہ اجل

بن گئے اور کتنے گھر کے چراغ گل ہوئے ہیں؟

یہ سرمایہ اور فائرنگ کی یہ گولیاں

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کروڑوں روپے پتنگ بازی، آتش بازی اور ہوائی فائرنگ پر ٹھیک ان دنوں ضائع ہو رہے ہیں جب کہ اسی پاک وطن کے بہت سے لوگ بھوک اور وسائل زندگی سے محرومی سے تنگ آ کر خود کشیوں اور خود سوزیوں کی دہشت ناک ہلاکتوں کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں جب کہ غیر مسلم ممالک میں فرزندان اسلام کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈروں میں تبدیل کی جا رہی ہیں، مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی، فرزندان اسلام کی نسل کشی اور قتل و غارت گری کا لالہ ہر شے بھسم کر رہا ہے ننھے ننھے معصوم یتیم بچے گلیوں اور سڑکوں پر اڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کی ہچکیاں لے رہے ہیں۔

پتنگ بازی میں کروڑوں روپے فضا میں بکھیر دینے والوں اور لاکھوں گولیاں فضا میں ضائع کر کے جشن بہاراں منانے والوں! یہ کشمیر، بھارت، فلسطین اور افغانستان کے مظلوم مسلمان تمہارے ہی دینی اسلامی بھائی ہیں۔ اس کروڑوں کے سرمائے سے تم اپنے ملک کے غریبوں اور مسکینوں کی مالی مدد کر کے انہیں خود کشیوں اور خود سوزیوں کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلا سکتے ہو، کشمیر اور فلسطین کے مظلوموں کے دکھوں کا مداوا کر سکتے ہو۔ یہ دولت اور سرمایہ اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے جو قیام پاکستان کے بعد تمہارے خالی ہاتھوں میں دی گئی تھی، تم اگر شیطانی کاموں میں ضائع کرنے سے باز نہ آئے تو رزق اور مادی اسباب کے دروازے کھول کر دولت و سرمائے کی فراوانی دینے والا یہ دروازہ بند بھی کر سکتا ہے۔

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا



بہنت کی حقیقت

آغاز سے انجام تک

یا سر محمد خان

بابر ہندوستان پہنچا تو اس نے مقامی لوگوں کو عجیب تہوار مناتے دیکھا۔ اس نے دیکھا لوگ بہار کے پہلے ہفتے پہلے رنگ کے کپڑے پہنتے، وصول بجاتے اور ناچتے ہیں۔ بابر یہ تہوار دیکھ کر حیران رہ گیا، اس نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا مقامی لوگ اسے استقبال بہار کا تہوار کہتے ہیں۔ مقامی زبان میں اس تہوار کا نام ”بہنت“ تھا۔ بابر نے اس تہوار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ آنے والے دنوں میں مغل شہزادیاں بھی یہ تہوار مناتی رہیں۔

بہنت کا آغاز

بہنت کا آغاز ہندوستان کے دو صوبوں میں ہوا، اتر پردیش اور پنجاب۔ مورخین یہ طے نہیں کر سکے کہ بہنت پہلے اتر پردیش میں منائی گئی یا پھر پنجاب میں۔ تاہم پہلے رنگ کی مناسبت سے قرین قیاس اس تہوار کی جائے پیدائش پنجاب ہے۔ یہ تہوار جس وقت منایا جاتا تھا وہ سروسوں چھولنے کا موسم ہوتا تھا۔ پنجاب کے کھیتوں میں سروسوں کے پھول لہلہا رہے ہوتے تھے، سروسوں کے پھول پہلے رنگ کے ہوتے ہیں، تہوار منانے والے بھی کیونکہ پہلے رنگ کے کپڑے پہنتے تھے لہذا مورخین کا خیال ہے اس تہوار کا سروسوں سے گہرا تعلق ہے۔ سروسوں کا پھول موسم بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ پنجاب کے لوگ سروسوں چھولتے ہی اپنے مال مویشی باڑوں سے نکال کر رھنوں میں باندھنا شروع کر دیتے ہیں، بھاری لفافوں کی جگہ ہلکی رضائیاں اور گرم چادروں کی جگہ بغیر بازوؤں کے سوٹر لے لیتے ہیں۔ کچھ

مورخین کا خیال ہے بہنت سردی کے اختتام اور موسم بہار کی آمد کا تہوار ہے، وہ اس ضمن میں ہندی کی ایک ضرب لٹل بطور ثبوت پیش کرتے ہیں ”بہنت، پالا اڑنت“ یعنی بہنت آئی اور سردی اڑ گئی۔ یہ تہوار پنجاب سے اتر پردیش کیسے پہنچا اور اتر پردیش سے پھر آگے ہندوستان کے باقی حصوں تک اس کی رسائی کیسے ہوئی؟ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ شاید اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ یہ تہوار ہندوستان میں کبھی قومی تقریب کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ یہ سچ ہے یہ ہر دور میں منایا جاتا رہا، لیکن ملک گیر سطح پر کبھی اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، اس لیے آج تک کسی نے پوری سنجیدگی سے اس کی جڑوں، اس کی اور بچن کے بارے میں تحقیق نہیں کی لیکن یہ بات طے ہے کہ ہندوستان میں اشوک کا دور ہو، بابر یا بہادر شاہ ظفر کا عہد، بہنت ہر دور میں کم اہم اور غیر مقبول تہوار رہا۔ شروع شروع میں اسے پنجاب کے کسان، اتر پردیش کے دھقان اور مدراس کے غریب ہاری مناتے تھے۔ مغلوں نے اس کی سرپرستی شروع کی تو یہ امراء کے محلات سے باہر نہ نکل سکا۔

بہنت مذہبی تہوار کیسے بنا؟

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے نے بہنت کو تاریخ میں پہلی بار شہرتی سے مذہبی تہوار میں تبدیل کر دیا۔ اورنگ زیب کے دور میں حقیقت رائے نام کے ایک لڑکے نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ریک حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اسے مغلظات کہتے ہوئے پکڑ لیا، مظلوم کو عدالت میں پیش کیا گیا، قاضی نے جرم ثابت ہونے پر حقیقت رائے کو سزائے موت سنائی۔ حقیقت رائے پھانسی کی سزا پا کر ہندوؤں کا مذہبی ہیرو بن گیا، جس دن حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی ہندوؤں نے پہلے رنگ کے کپڑے پہنے، حقیقت رائے کی لاش اٹھائی اور گاتے بجاتے ہوئے اسے شمشان گھاٹ تک لے گئے۔ مسلمانوں نے اسے تو جین آمیز قرار دیا لیکن ہندوؤں نے پہلے کپڑوں اور رقص و سرور کو بہنت کہہ کر جان بچائی، اگلے سال ہندوؤں نے حقیقت رائے کی برسی منائی

اور اس برسی پر پہلے کپڑے پہن کر اور ناچ گا کر حقیقت رائے سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے بسنت کے تہوار پر پہلی پتنگ بھی حقیقت رائے کی سادھی پر ہی اڑائی گئی تھی۔

پتنگ بازی کی تاریخ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہندوستان میں اس سے پہلے پتنگ موجود تھی؟ کیا بسنت کے تہوار پر پتنگ بازی بھی ہوتی تھی؟ جہاں تک پتنگ کے وجود کا سوال ہے، ہندوستان میں پتنگ بازی کا فن صدیوں سے موجود تھا۔ یہ پتنگ کی ایجاد کا سہرا وہ اقوام لیتی ہیں چینی اور مصری۔ چینیوں کا دعویٰ ہے پہلی پتنگ ۴۰۰ سال قبل مسیح میں چین میں بنائی اور اڑائی گئی، اس کے بعد چین کی اشرفیہ اپنے اکثر تہواروں اور تقریبات میں پتنگیں اڑاتی تھی۔ شاہی خاندان پتنگ سازوں کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کرتا تھا، اس دور میں پتنگ سازی کے ماہرین کو دربار میں عہدہ دیا جاتا تھا۔ چینیوں کے برعکس مصریوں کا دعویٰ ہے کہ پتنگ سازی فرامین کے دور میں موجود تھی، اس ضمن میں وہ اہراموں سے برآمد ہونے والی تصاویر اور بت بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان تصاویر میں فرعون کو پتنگیں اڑاتے دکھایا گیا تھا۔ مصریوں کا کہنا تھا یہ فن مصری جہازرانوں یا تاجروں کے ذریعے چین پہنچا، چینی بادشاہوں نے اسے شرف قبولیت بخشا اور یوں پتنگیں چین میں رائج ہو گئیں۔ مصر میں چونکہ پتنگ بازی صرف شاہی خاندان تک محدود تھی لہذا اسے شاہی کھیل سمجھا جاتا تھا اور عام آدمی کو یہ کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں تھی، چنانچہ وہاں یہ کھیل کھل کر سامنے نہ آ سکا جبکہ چین میں بادشاہوں نے اسے عام کر دیا۔ یوں پتنگ چینیوں کی ایجاد محسوس ہونے لگی، اگر ہم مصریوں کے دلائل تسلیم کر لیں تو پھر پتنگ بازی کی تاریخ ۵ ہزار سال قبل مسیح ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ پتنگ چین سے ہو کر ہی برصغیر اور پھر یورپ پہنچی، برصغیر میں پتنگ بازی، پتنگ سازی اور پتنگ کو بطور صنعت قائم کرنے کا اعزاز بودھ مت کے پیروکاروں کو حاصل ہے۔

بودھ بھکشو پہلی پتنگ ہندوستان لے کر آئے، ہندوستان کے باسیوں کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور حیران کن چیز تھی، لہذا یہ بڑی تیزی سے پورے ہندوستان میں رائج ہو گئی، ہندو راجوں اور مہاراجوں نے اس کی پذیرائی کی۔ اپنی نگرانی میں پتنگیں تیار کرائیں، پتنگیں اڑانے کے لیے ٹیمیں بنائیں اور پھر عوام کو یہ ”میچ“ دیکھنے کی دعوت دی۔

موسمی کھیل

شروع شروع میں پتنگیں ہر موسم میں اڑائی جاتی تھیں لیکن پھر تجربے سے معلوم ہوا یہ بھی ایک موسمی کھیل ہے، یہ کھیل موسم سرما میں ہوا کی کمی، برسات میں ہوا میں موجود نمی اور موسم گرما میں تیز دھوپ اور آندھی طوفان کے باعث نہیں کھیلا جاسکتا۔ اس کے لیے مناسب ترین موسم بہار ہے، اس موسم میں کیونکہ ہوا میٹر، نہ تو حد سے زیادہ نمی ہوتی ہے اور نہ ہی تیزی، یہ کھیل کھیلنے والے بھی موسم کی شدت سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں چنانچہ پتنگ بازی بھی موسم بہار میں شروع ہو گئی۔ اب بہار میں دو کھیل ہونے لگے ایک بسنت اور دوسری پتنگ بازی۔ گو یہ دونوں کھیل بہار میں کھیلے جاتے تھے لیکن ایک طویل عرصے تک الگ الگ رہے، پھر حقیقت رائے کا معاملہ ہوا اور تاریخ میں پہلی بار بسنت اور پتنگ ایک ہی شخص کی سادھی پر منائی گئی اور شخص بھی وہ جس نے گستاخی رسول میں موت کی سزا پائی تھی۔

بسنت اور حضرت امیر خسرو

بسنت کی تاریخ میں ایک اور مسلم شخصیت کا نام بھی آتا ہے وہ تھے ”حضرت امیر خسرو“ وہ تیرہویں صدی میں بہار کے پہلے ہفتے پیلا چوٹا پہنچے اور گاتے تھے۔ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی، بعض مورخین کا خیال ہے، یہ بھی ان کی ایک مجذوبانہ ادا تھی، وہ اس ادا کے ذریعے اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن یہ بسنت وہ بسنت نہیں تھی جو ہندو

مناتے تھے اور نہ ہی اس بسنٹ میں پتنگ بازی شامل تھی۔

بسنٹ کے ”کھاتے“ میں شاہ حسین کا نام بھی آتا ہے۔ شاہ حسین ایک ہندو لڑکے مادھول کو بہت عزیز رکھتے تھے، مادھول کو پتنگیں اڑانے کا بہت شوق تھا، شاہ حسین اس کا شوق پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے، ان کا انتقال ہوا اور ان کا مزار مادھول حسین کہلایا تو ان کے زائرین نے ہر سال ان کے مزار پر دو تہوار منانے شروع کر دیے، ایک تہوار کو میلہ چراغاں کا نام دیا گیا اور دوسرے کو بسنٹ کہا گیا۔ میلہ چراغاں میں مزار اور اس کے گرد و نواح میں چراغ جلائے جاتے اور بسنٹ کے دن ڈھول پیٹنے اور پتنگیں اڑائی جاتی تھیں۔ درحقیقت اس دور میں بسنٹ کا تہوار بڑے ترک و احتشام سے منایا جاتا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہ تہوار صرف مادھول حسین کے مزار اور میلے تک محدود تھا۔

قومی تہوار اور اس کی تقسیم

بسنٹ کو اصل پذیرائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں حاصل ہوئی، مہاراجہ نے اسے قومی تہوار کا درجہ دیا، بسنٹ کے دن لاہور کے شاہی قلعے سے بسنٹ کا ایک شاندار جلوس نکلتا، جلوس کے شرکاء نے پہلے چوٹے اور پھلی پگڑیاں پہن رکھی ہوتیں، وہ ڈھول اور شہنائی کی آواز پر ناچ رہے ہوتے۔ مہاراجہ اس جلوس کی قیادت کر رہا ہوتا، یہ جلوس اس شان سے شاہی باغ پہنچتا کہ سارے راستے رعایا پہلے کپڑے پہن کر دونوں اطراف کھڑے ہوتے، جلوس پر گل پاشی کر رہے ہوتے اور مہاراجہ کے حق میں نعرے لگا رہے ہوتے، شاہی باغ پہنچ کر پتنگ بازی کا مقابلہ ہوتا، گو اس دور میں اس تہوار کو سرکاری حیثیت حاصل تھی لیکن اس عہد میں بھی پتنگ بازی صرف شالیمار باغ تک محدود تھی، راجہ رنجیت سنگھ کے بعد یہ تہوار عوامی ہو گیا۔

عوامی دور کا یہ تہوار تین حصوں میں تقسیم ہو گیا، سکھوں کی بسنٹ، مسلمانوں کی بسنٹ اور ہندوؤں کی بسنٹ۔ سکھ اپنی بسنٹ گردوارہ منکت سنگھ، ہندو حقیقت رائے کی سادھی اور

مسلمان مادھول حسین کے مزار پر مناتے۔ یہ ایک محدود قسم کے تہوار ہوتے جن میں چند سو لوگ شریک ہوتے۔

جشن بہاراں

انگریز آئے تو انہوں نے مقامی ثقافت کی ترویج کا فیصلہ کیا، انگریزوں کا خیال تھا، ہر وہ تہوار جو مقامی لوگوں کی اخلاقیات پر برا اثر ڈال سکتا ہے اسے سرکاری سرپرستی فراہم کی جائے، جان لارنس لاہور میں انگریز گورنر جنرل کا سیاسی نمائندہ ہوتا تھا، اسے بسنٹ کا تہوار ”مناسب“ دکھائی دیا، لہذا اس نے ۱۸۴۸ء میں پہلی بار ”جشن بہاراں“ منانے کا اعلان کیا، یہ بسنٹ کا ہفتہ بھی کہلایا، اس ہفتے لاہور میں ناچ گانے، پتنگ بازی اور شراب کا عام استعمال ہوا۔ یہ وہ ہفتہ تھا جس میں اخلاقی جرائم کو ناقابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں اس ہفتے لاہور کے شرفاء نے گلی کوچوں میں قدم تک نہ رکھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ گلی کوچوں میں غنڈے ان کے ساتھ بدتمیزی کریں گے جس سے ان کی عزت پر حرف آئے گا۔ ۲۰۰۲ء کو تقریباً ۱۵۴ برس بعد جنرل پرویز مشرف نے جان لارنس کی بیرونی میں جشن بہاراں منایا جس سے یقیناً جان لارنس کی روح کو طمانیت نصیب ہوئی ہوگی اور اسے اپنے ہم ذہنوں کی کارکردگی پر خوشی ہوئی ہوگی۔

بسنٹ سرکاری سرپرستی میں

لاہور میں پتنگ بازی اور بسنٹ منانے کی روایت پاکستان بننے سے پہلے سے موجود تھی۔ اس دور میں لاہور کا منٹو پارک (اب اقبال پارک) پتنگ بازی کے مقابلوں کے لیے مختص تھا، منٹو پارک میں پتنگوں کی تیس چالیس دکانیں تھیں، بسنٹ کے دنوں میں ”زندہ دلاں“ لاہور منٹو پارک میں جمع ہوتے، پتنگ بازی کے مقابلے کرتے اور چیخ چلا کر خوشیاں مناتے، اس دور میں پتنگ بازوں کے سردار کو ”استاد“ کہا جاتا تھا ”تم بڑے استاد ہو“ کا

محاورہ انہیں دنوں پیدا ہوا، اس ”استاد“ کو لاہور میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ عہدہ کبوتر بازوں، موٹر مکینوں اور ڈرائیوروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بسنت کا تہوار فوت ہو گیا لیکن پتنگ بازی کا سلسلہ جاری رہا، بھارت میں بھی بسنت کا تہوار زوال پذیر ہو گیا، اس کی بڑی وجہ بسنت کا غیر مذہبی تہوار ہونا تھا، ہندومت میں صرف وہ رسمیں وہ تہوار اور وہ جشن زندہ رہتے ہیں جنہیں مندر اور پرست کی آئینہ دار حاصل ہوتی ہے، بسنت کیونکہ ایک خالصہ ثقافتی تہوار تھا، اس کا تعلق بھی مسلم اکثریتی صوبے پنجاب سے تھا لہذا پاکستان بننے کے بعد یہ تہوار بھارت میں جڑ نہ پکڑ سکا جبکہ پاکستان میں ابتدائی ۱۳ برس لاہور میں بسنت نام کا کوئی تہوار نہیں ہوا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں منٹو پارک میں ایک بار پھر پتنگ بازی کے مقابلے شروع ہو گئے۔ ان مقابلوں کو کسی قسم ظریف نے ”بسنت“ کا نام دے دیا۔ یوں ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا، وہاں سے پتنگ بازی کی وبا شادہرہ، شالیمار باغ اور بادامی باغ پکچی۔ ایوب خان کی حکومت آئی تو فوج کو عوامی توجہ ان کے اصل مسائل سے ہٹانے کی ضرورت پیش آئی لہذا فوجی حکومت نے بسنت قسم کے لغو اور فضول سلسلوں کی معاونت اور سرپرستی کا فیصلہ کیا۔

ایوب خان کی شکل میں فوجی اور نیم فوجی دور کو دس برس ہو چکے تھے۔ ایوب خان اور ان کے حواری کوشش کے باوجود عوام میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے میں ناکام ہو رہے تھے۔ اس وقت وزارت ثقافت نے حکومت کو ایک ایسا منصوبہ بنا کر دیا جس کے ذریعے عوام کی نفرت کا رخ بدلا جاسکتا تھا۔ لوگوں کو تہواروں اور تقریبات میں الجھا کر ان کی توجہ ملک کے اصل ایٹوز سے ہٹائی جاسکتی تھی، لہذا ۱۹۶۱ء میں پہلی بار لاہور میں شہر کی سطح پر بسنت منائی گئی۔ یہ کوشش اس کے باوجود پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی کہ حکومت نے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات کو بسنت کی ترویج اور تہوار کی نشر و اشاعت کے لیے خصوصی صفحات جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دور میں بین الاقوامی سطح پر ایک نئی تبدیلی آئی۔

دو دشمن طاقتیں اور ان کے مقاصد:

ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے کاروبار کی توسیع کیلئے تیسری دنیا کا رخ کیا۔ جب یہ کمپنیاں غریب ممالک میں آئیں تو انہوں نے محسوس کیا۔ مشرق اور مغرب کی تہذیب اور ثقافت میں بہت فرق ہے۔ اس فرق کے باعث ان کے مشروبات، ان کے لباس، ان کی طرز رہائش، ان کی بیماریاں، ان کی بیماریوں کے علاج اور ان کے تہواروں میں بہت فرق ہے۔ اب ظاہر ہے جس جگہ شکر کا شربت پیا جاتا ہو، لسی جس علاقے کا مشروب ہو وہاں کوک یا چائے کی کیا گنجائش نکلے گی؟ جس علاقے کے ۹۰ فیصد تمباکو نوش تھے پیتے ہوں وہاں گولڈ لیف یا ولز کی مارکیٹ کہاں پیدا ہوگی؟ جہاں لوگ شلوار قمیص پہنتے اور دھوئی باندھتے ہوں اس ملک میں جینز اور جیکٹ کون خریداے گا؟ اور جس علاقے میں لوگ نزلے کا علاج جوشاندے سے کرتے ہوں وہاں اینٹی پائینک کی خرید و فروخت کا کیا امکان ہوگا؟ لہذا ملٹی نیشنل کمپنیوں نے سچا جب تک وہ تیسری دنیا کی ثقافت نہیں بدلیں گی ان کے کاروبار کی سرحدیں آگے نہیں پھیلیں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ۶۰ کی دہائی کے آخر میں پوری دنیا کی ثقافت میں ”مساوات“ پیدا کرنے کا عملی کام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں چار شعبے منتخب کیے گئے:

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار ہتھکنڈے:

- ۱۔ شوہر، نمبر، کھیل، نمبر، تین تہوار اور نمبر ۵ چار بیماری۔ اس سلسلے میں آپ تھوڑا سا غور و فکر کریں تو آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ساری حرکات سمجھ جائیں گے۔ مثلاً:
- ۱۔ شوہر کو لیجیے: اس مکروہ اور شیطانی کاروبار میں جتنی ترقی ترقی پچھلے تیس برسوں میں ہوئی اتنی کسی شعبے میں نہیں ہوئی۔ رنگین ٹیلی ویژن، انگریزی فلمیں، فحش کیٹیں، وی سی آر، ڈی وی ڈی، ڈش اینٹنا، کیبل اور انٹرنیٹ یہ کیا ہے؟ یہ وہ بیماری ہے جس نے آرٹلڈ، جینز

فونڈا، میڈونا اور مائیکل جیکسن کو پوری دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ آج میڈونا پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں بھی اتنی ہی مشہور ہے جتنی امریکا اور یورپ میں۔

۲) کھیل ملٹی نیشنل کمپنیوں کا دوسرا اہم شعبہ ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ایک سازش کے ذریعے کرکٹ، اسکواش اور فینس کو پوری دنیا کے کھیل بنا دیا۔ کرکٹ اس فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کا وہ کھیل ہے جس میں زیادہ سے زیادہ اشتہارات کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً آپ باؤلر کو دیکھیے جب باؤلر اسٹارٹ لینے کے لیے لائن کی طرف جاتا ہے، اپنی پتلون پر بال رگڑتا ہے تو اس دوران ملٹی نیشنل کمپنیاں اسکرین اور ریڈیو پر اپنے اشتہارات چلاتی رہتی ہیں۔ ہر اور اور ہر نئے کھلاڑی کی آمد کے دوران بھی اشتہارات چلائے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات ملاحظہ کیجیے کہ کرکٹ کے کھیل میں باؤلرز کو زیادہ معاوضہ ملتا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام بڑے باؤلر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ملازمین ہیں۔ یہ کمپنیاں انہیں ہر ماہ بھاری معاوضہ دیتی ہیں۔ یہ باؤلر کس چیز کا معاوضہ لیتے ہیں؟ یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ ان باؤلرز کو لمبے اشارت کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کمپنی انہیں پابند کرتی ہے کہ وہ جب بال کرانے جائیں گے تو زیادہ دیر تک بال پتلون کے ساتھ رگڑیں گے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور تک جائیں گے۔ یہ وقفہ کمپنی کے لیے بہت قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس وقت لاکھوں کروڑوں ناظرین کی آنکھیں اسکرین پر جمی ہوتی ہیں۔ اس لمحے کمپنی جو بھی اشتہار دکھائے گی کروڑوں لوگ وہ اشتہار دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ کرکٹ کے مقابلے میں ہاکی اور فٹ بال جیسے کھیل تیسری دنیا میں اس لیے نہ پھیل سکے کہ یہ مسلسل کھیل ہوتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی کھلاڑی بال لے کر بھاگتا ہے تو ٹیلی ویژن کیمرہ اسے مسلسل دکھانے پر مجبور ہے، لہذا اس میں سے اشتہار کی گنجائش نکالنا تقریباً ناممکن ہے۔

۳) تہوار ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تیسرا بڑا چھکنڈا ہے۔ ان کمپنیوں نے ایک مکمل سازش کے ذریعے نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے اور کرسمس جیسے تہواروں کو پوری دنیا کے تہوار

بنا دیا۔ اب ذرا خود دیکھیے! اس وقت نیو ایئر نائٹ پوری دنیا میں منائی جاتی ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ملٹینیم نائٹ منائی گئی۔ اس رات صرف امریکا میں ۶۷ ارب ڈالر کی شراب پی گئی۔ اس شراب کا فائدہ کس نے اٹھایا؟ شراب بنانے والی کمپنیوں نے۔ ان کمپنیوں نے تین سال پہلے ہی سے ملٹینیم نائٹ کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ میڈیا کو پیسے کھلا کر پوری دنیا کو ملٹینیم نائٹ کے بخار میں مبتلا کر دیا گیا یہاں تک کہ پاکستان کے وہ لوگ جن کے پاس چار پائی تک نہیں تھی وہ بھی نئی صدی کے استقبال کے لیے ۳۱ دسمبر بارہ بجے سڑکوں پر کھڑے تھے۔ یہی صورتحال ویلنٹائن ڈے کی ہے۔ اس ملک کی آبادی کا زیادہ تر حصہ ”ویلنٹائن“ کے تلفظ تک سے واقف نہیں لیکن وہ پھول اٹھا کر پھر رہا ہے۔

اب آتے ہیں بہشت کی طرف۔ یہ ایک مقامی تہوار تھا جو مقامی سطح پر منایا جاتا تھا۔ ۸۰ء کی دہائی کے آخر میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے محسوس کیا اگر اس تہوار کی پشت پناہی کی جائے تو یہ تہوار منافع بخش کاروبار بن سکتا ہے، چنانچہ لاہور میں ایسے لوگ تلاش کیے گئے جو اس سلسلے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگ تلاش کر لیے گئے۔ یورپی ممالک نے اپنے سفارتکاروں کو بہشت کے تہوار میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔ وہ سفارتکار جو سفارتخانے سے نکلنے کے لیے حکومت سے حفاظت کی سوسوگاریاں مانگتے ہیں۔ وہ اندرون لاہور دو دو دن بہشت مناتے دیکھے گئے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بہشت کو اسپانسر کیا۔ میڈیا نے اسے کورج دی۔ لوگ، چائے اور ٹوتھ پیسٹ بنانے والوں نے اشتہار دیے، بہشت کے گانے ریکارڈ ہوئے اور چٹخیں اڑاتے اداکار ٹیلی ویژن اسکرین پر دکھائے جانے لگے۔ یوں دو تین برسوں میں بہشت قومی تہوار بن گئی۔ پرویز مشرف کی حکومت آئی تو حکومت نے اس نا جائز بچے کو اپنا نام دے دیا۔ ”جشن بہار“ کی شکل میں بہشت سرکاری تہوار ہو گیا۔

۴) بیماریاں اور ادویات ملٹی نیشنل کمپنیوں کا چوتھا ذریعہ ہیں۔ آپ ذرا سوچیں ایڈز، ہیپاٹائٹس اور امراض قلب اس خطے کی بیماریاں ہیں؟ نہیں! یہ یورپی امراض تھے۔ ملٹی

نیشنل کمپنیوں نے خوراک کے ذریعے یہ امراض اس خطے میں پیدا کیے اور آج تیسری دنیا کے کروڑوں اربوں لوگ قلب، جگر اور جنس کی اربوں ڈالر کی دوائیں کھا رہے ہیں۔

بسنٹ کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا:

آئیے! اب یہ سوچتے ہیں بسنٹ کا سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ بسنٹ کا فائدہ دو طاقتیں اٹھا رہی ہیں: ملٹی نیشنل کمپنیاں جو اس تہوار کے ذریعے اپنی مصنوعات کے اشتہارات دیتی ہیں اور ہمارا دشمن بھارت جو ہر سال پاکستان میں کروڑوں اربوں کا سامان بیچتا ہے۔ دلچسپ حقیقت دیکھیے! جب لاہور اور پھر پورے پاکستان میں بسنٹ کو پذیرائی ملی تو امرتسر، ہریانہ اور دہلی بسنٹ کے ساز و سامان کی منڈی بن گئے۔ پاکستان ہر سال بھارت سے کروڑوں روپے کی ڈور اور پتنگیں اور ان کے بنانے کا ساز و سامان درآمد کرتا ہے جو ظاہر ہے دشمن کی معیشت کو فائدہ پہنچانے کے مترادف ہے۔ بسنٹ کے سلسلے میں بھارت کے اندر دو سیاسی فلسفے پائے جاتے ہیں: کانگریس بسنٹ کو برصغیر کا قومی تہوار سمجھتی ہے جبکہ شیو سینا اسے سکھوں کا تہوار کہتی ہے۔ ہم پاکستان میں یہ تہوار منا کر کانگریس کے فلسفے کو طاقت فراہم کر رہے ہیں۔ کانگریس کا یہ نعرہ تھا: ہندو اور مسلمان کی ثقافت، زبان اور تہوار ایک ہیں، لہذا یہ دو قومیں نہیں ہیں، جبکہ مسلمانوں کا کہنا تھا ہماری ثقافت، تہذیب، زبان اور تہوار ہندوؤں سے مختلف ہیں لہذا ہم الگ قوم ہیں۔ یہ فلسفہ نظریہ پاکستان کہلاتا ہے۔ ہم پاکستان میں بسنٹ منا کر نظریہ پاکستان کی توہین کر رہے ہیں۔ ہم ثابت کر رہے ہیں کہ کانگریس کے عمائدین ٹھیک سوچ رہے تھے۔ وہ درست کہتے تھے کہ ہم بسنٹ پر پیلے کپڑے پہنتے ہیں، ڈھول کی تھاپ پر ناچتے ہیں، عورتیں اور مرد اکٹھے گاتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ یہ سب ہندو تہذیب کے آثار ہیں۔ ہم اس کے ذریعے سرحد پار یہ پیغام دے رہے ہیں ”ہم صرف نام کے مسلمان اور پاکستانی ہیں“۔ تہذیب، شائستگی اور اخلاقیات بھی اس تہوار کی اجازت نہیں دیتی۔ ہلا گلا، شور شرابہ، ناچ گانا، تانک جھانک اور اسراف کی دنیا

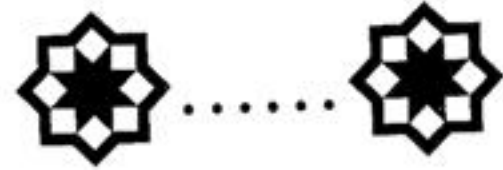
کی کوئی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ یہ کیا تفریح ہے جو جاتے جاتے بیسیوں جانیں ساتھ لے جاتی ہے، جس میں ایک رات میں کروڑوں روپے کی بجلی ضائع کر دی جاتی ہے اور فحاشی اور عریانی کو جس کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟

بسنٹ کی شہرت کیسے ہوئی؟

بسنٹ کا تہوار لاہور سے کیسے نکلا؟ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ کم دلچسپ نہیں۔ اس کا سہرا طالب علموں کے سر ہے۔ لاہور کو کالجوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے تعلیمی ادارے ملک اور بیرون ملک مشہور ہیں۔ پورے ملک سے طالب علم ان میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ طالب علم لاہور میں بسنٹ دیکھتے رہے، تعلیم کے بعد جب یہ لوگ اپنے آبائی شہروں کو لوٹے یا پھر ملازمتوں کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں گئے تو بسنٹ بھی ساتھ لے گئے، یوں دوسرے شہروں میں بھی آہستہ آہستہ یہ گندا کھیل کھیل جانے لگا۔ بسنٹ کس نے پھیلائی؟ یہ عوام کی زندگیوں کا حصہ کیسے بنی؟ یہ اس خطے کا تہوار ہے یا نہیں؟ پاکستان اور پنجاب بسنٹ کے رنگوں میں کب رنگین ہوئے؟ یہ تمام سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ بسنٹ کی زندگی میں ملٹی نیشنل کمپنیوں، بیرونی طاقتوں اور عالمی ایجنسیوں کا کیا کردار ہے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں لیکن یہ حقیقت بھی اہم ہے جب تک حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو کوئی جرم پورے معاشرے کو پلیٹ میں نہیں لیتا، کوئی گناہ پوری قوم کا گناہ نہیں بننا اور کوئی رسم، ثقافت کا کوئی جز تہذیب کا حصہ نہیں بنتی۔ بسنٹ ایک قدیم تہوار تھا لیکن اس کو جدت اور زندگی ہماری موجودہ حکومت نے فراہم کی۔ خود سوچیے! جن خرافات کے لیے ۸ فروری ۲۰۰۳ء کو ۲۳۵ وی وی آئی پی اور ایک ہزار ۷ سو وی آئی پی شخصیات سمیت ۳ ہزار اہم لوگ لاہور میں ہوں ان خرافات کو تہوار بننے سے کون روک سکتا ہے؟ اس رسم کو تہذیب کا حصہ بننے سے کون باز رکھ سکتا ہے؟

بسنت کے مضراثرات :

بسنت کے ذریعے ہماری ثقافت تباہ ہوئی۔ ہمارا معاشرہ افراط فزی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوا۔ ہماری نوجوان نسل گمراہ ہوئی۔ ہم نے تفریح کے نام پر پورے معاشرے کو نفسیاتی بیماری کے حوالے کر دیا اور ہم نے اپنی معیشت، اپنا قومی وقار گروی رکھ دیا۔ ان تمام جرائم کے چھینٹے حکومت کے گریبان پر ہیں۔ اس کا ایک ہی مجرم ہے اور اس مجرم کا نام ”حکومت“ ہے۔



دوقومی نظریے کی موت

قاری منصور احمد

عبرت آموز واقعہ :

کٹے ہوئے گلے سے خون کا دھارا تیزی سے بہ رہا تھا، حواس باختہ باپ کے کپڑے اور ہاتھ بھی خون سے لت پت تھے۔ پہلی نظر میں یونہی لگتا تھا کہ باپ نے بیٹے کا گلا خود ہی کاٹا ہے۔ ہسپتال پہنچنے تک کافی خون بہ چکا تھا۔ باپ کی منت سماجت نے ایمر جنسی وارڈ میں فلمی صفحے میں مگن ڈاکٹر کو متوجہ کیا تو ڈاکٹر نے معمول کی کارروائی کے مطابق اشارے سے بچے کو بیڈ پر لٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ بڑے اطمینان سے تشریف لائے، اسٹیتھو اسکوپ سے سینہ اور ہاتھ سے نبض ٹولی اور مایوسی سے گردن ہلا دی۔ عملے نے باپ کو تھانے جانے کا مشورہ دیا لیکن غمزدہ اور سیانے باپ نے گھر کی راہ لی کہ بچہ اگر وقت پر اسکول نہیں پہنچ سکا تو قبرستان تو وقت پر پہنچ جائے۔ اسکول سے واپسی کا وقت ہو چلا تھا کہ باپ خون میں لتھڑے بیٹے کے ساتھ گھر پہنچا، ماں دیر تک سکتے کی حالت میں بچے کو دیکھتی رہی پھر دھڑام سے گر پڑی۔ اڑوس پڑوس سے جلد ہی ایک جھوم جمع ہو گیا۔

کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کب ہوا؟

باپ تو بے ہوش ماں کو ہوش میں لانے کی فکر میں تھا، اس لیے تصویر کے لیے آنے والے نامہ نگار نے تفصیل بتائی کہ بچہ باپ کے آگے موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ پٹنگ کی تہی ہوئی ڈور عین گلے پر آنٹھری۔ موٹر سائیکل کی رفتار نے اسے چھری بنا دیا۔ بریک لگنے تک بھل بھل کرتا گرم خون زمین تک پہنچ چکا تھا۔ تفصیل اختتام کو پہنچی تو محلے میں ”بوکا نا“ کا شور

ابھرا۔ بھونپو بجے اور تھوڑی دیر میں ایک کٹی ہوئی چنگ اسی صحن میں آگری جہاں اس سے پہلے بھی ایک چنگ کٹی ہوئی پڑی تھی۔

دوسرا واقعہ :

اب آئیے ایک اور منظر دیکھتے ہیں :

بجلی کے تار چھت سے دو تین فٹ کے فاصلے پر ہوں گے۔ منظر پر کھڑے دو بچے تاروں میں انکی چنگ کے حصول کی ترکیب لڑا رہے تھے۔ ایک نے منڈیر سے آگے جھک کر ہاتھ بڑھایا، ناکامی پر دونوں نے مشورہ کیا۔ چھوٹے نے ٹانگیں پکڑیں۔ بڑا کچھ آگے بڑھ کر منڈیر پہنک گیا۔ بڑھا ہوا ہاتھ چنگ کی بجائے ننگے تار پر پڑا۔ روشنی کا ایک جھماکا اور پھر گوشت جلنے کی بو، چھوٹا جھکے سے گرا اور پھر اٹھ کر تیزی سے نیچے بھاگا۔ جتنی دیر میں گھر والے اوپر پہنچے، تاروں میں جھولتا بچہ کہاں بن چکا تھا۔

یہ واقعہ جاوہر موڑ جہلم کا ہے اور میرا چشم دید ہے جب کہ پہلا پاکستان کے دل زندہ دلاں لاہور کی ”زندہ دلی“ کا شاہکار ہے۔ اگلے دن کے اخبارات میں ان دو خبروں کے ساتھ اور بھی دو خبریں تھیں۔ ایک میں گورنر پنجاب کا ارشاد تھا اور دوسری میں بال ٹھا کرے کا۔

گورنر پنجاب اور بال ٹھا کرے کے بیان پر تبصرہ :

”بہشت منانے میں کوئی حرج نہیں“ ارشاد گورنر تھا اور ”بہشت مناتے ہوئے مارے جانے والے شہید ہیں۔“ ہندوستان کے متعصب اور مسلم دشمنی میں انتہا پسند ہندو لیڈر کا منظر تھا۔ کوئی حرج نہ ہونے کی وجہ سے آنے والے دنوں میں یہ ”شوق شہادت“ فزوں تر ہوتا گیا۔ پھر خبریں مسلسل آنے لگیں۔ بجلی کے بار بار بند ہونے کی۔ بیسیوں کے مرنے اور سینکڑوں کے زخمی ہونے کی۔ فائرنگ کی۔ پر شور گانوں کی۔ زرد کپڑوں میں ملبوس لڑکوں اور لڑکیوں کے اجتماعی رقص کی۔ غیر مسلم سفیروں کے ساتھ جوان لڑکیوں کے کندھے سے

کندھا لٹا کر بوکا ٹا کر نے کی۔ پلے گلے کی۔ جام لٹدھانے کی۔

آخر اس سب کچھ میں حرج ہی کیا ہے؟ اس سے تو ثقافت پر وان چڑھتی ہے۔ معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ ہمسایہ ملکوں کے تعلقات میں فروغ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ گھٹن دور ہوتی ہے۔ مولوی تو ایسے ہی تفریح سے روکتے رہتے ہیں، رجعت پسند ہیں، جدید تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ جزیشن گیپ کو نہیں سمجھتے۔ بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں۔ آخر تھوڑی سی تفریح میں کیا حرج ہے؟

اب جب کہ بال ٹھا کرے جو ایک بڑے ملک کا بڑا لیڈر ہے، اس کی تائید بھی سامنے آچکی ہے، اس کے بعد کسی اور کے فرمودات کی کیا حیثیت ہے؟ اس نے تو ایک اور بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ اگر ہم تقسیم سے پہلے بھی اسی جوش و خروش سے بہشت مناتے تو پاکستان بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ بلکہ مزید تھوڑی سی ہم آہنگی پیدا کر لی جائے تو پھر بہت سی چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً لاکھ فوج رکھنے کی، ایٹم بم بنانے کی، ۲۷ فیصد دفاع پر خرچ کرنے کی، الگ ملک بنانے کی، کشمیر میں بندے مروانے کی۔

اور اگر طرز زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی جائے تو محبت اور دولت کے دھارے دونوں ملکوں میں بہنے لگیں گے۔ اگر عید کے ساتھ ہولی اور دیوالی منالی جائے، مقبوضہ کشمیر ہندوستان کے پاس ہی رہنے دیا جائے بلکہ خیر سگالی کے طور پر تھوڑا سا گلگت بھی دے دیا جائے، بہار کے آغاز پر بہشت منانے کا دائرہ ذرا وسیع کر لیا جائے اور اس خوشی کے موقع پر پچاس ساٹھ شہید بھی برداشت کر لیں جائیں۔ دونوں ممالک کی سرحدیں کھول دی جائیں، ثقافتی و فوڈ کا تبادلہ ہو ”پاک سرزمین شاد باؤ“ کے ساتھ ساتھ ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“ بھی شامل کر لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

اگر غور کریں تو واقعی کوئی حرج نہیں، سوائے اس کے کہ پھر پاکستان کا جواز ختم ہو جائے گا اور دو قومی نظریہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

زندہ دلوں کے شہر میں

مولانا محمد اسلم شیخ پوری

آج بروز جمعہ ۶ فروری شیخوپورہ شہر میں چند مذہبی پروگراموں میں شرکت کے لیے یہ ناچیز لاہور پہنچا ہے۔ سڑکوں پر عام معمول سے زیادہ اڑدھام ہے۔ ٹریفک ٹریک رہا ہے۔ ڈرائیور نے بتایا: آج شام بسنت میلہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ دکانوں پر انواع و اقسام کی پتنگیں آویزاں ہیں۔ بعض کمپنیوں اور اخبارات نے اپنے نام کی پتنگیں بنا کر مفت بھی تقسیم کر رکھی ہیں۔ کارپوریشن کا عملہ مخصوص علاقوں کی سڑکیں دھونے میں مصروف ہے۔ ضلعی حکومتوں کی جانب سے شاہراہوں کو بیسروں، قہقروں اور پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ جہازی ساز کی پتنگیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کی گئی ہیں۔ بجلی کے کھمبوں کے ساتھ برقی پتنگیں لگائی گئی ہیں۔ کنکشن مفت دیے گئے ہیں۔ رات کو جب یہ روشن ہوں گی تو آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف بسنت کا راج ہوگا۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے تشہیری مہم میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اشتہارات میں بسنت کی خوشیاں منانے، موج اڑانے، مستی مچانے اور ہلا گھلا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پورے ملک بلکہ یورپ تک سے ”یکسانیت اور یوریت“ سے تنگ آئے ہوئے لوگ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے سر کے بل آ رہے ہیں۔ (یہ بھی اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کسی نے حج کی دعوت پر لبیک کہا اور کسی نے بسنت کی دعوت پر، کسی نے روحانیت کی پکار پر اور کسی نے مادیت اور معصیت کی صدا پر) ریلوے اسٹیشن، بس اڈا اور ایئرپورٹ ہر جگہ رش ہے۔ وفاقی وزراء، ارکان پارلیمنٹ، صوبائی وزراء، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور مختلف سرکاری اور غیر سرکاری

محکموں اور کمپنیوں سے وابستہ ہزاروں اہم شخصیات لاہور پہنچ رہی ہیں۔ پاک سرزمین کے کونے کونے سے مشہور گویئے اور رقاصائیں لاہور کا رخ کر رہی ہیں۔ غیر ملکی سفراء بھی مدعو ہیں، ان کی موجودگی میں ناچ گا کر، اربوں روپے اڑا کر، ناٹکیں تڑوا کر، گردنیں کٹوا کر، ہنستے ہستے گھرا جائزہ زندہ دلی کے ثبوت پیش کیے جائیں گے۔ آخر کیوں نہ ہو کہ یہ ”زندہ دلوں کا شہر“ ہے۔

آج اور آج کے بعد چند روز تک سرکاری سرپرستی میں ہندوانہ تہوار کا ہنگامہ عروج پر ہوگا۔ ناؤ نوش کی محفلیں ہوں گی، عورتیں بسنتی دوپٹے اور مرد بسنتی رنگ کے اسکارف گلے میں ڈال لیں گے۔ پتنگیں لوٹنے والے لمبے لمبے بانس ہاتھوں میں لیے ہر دوڑاؤ ہر بازار میں غول درغول اک جنون کی سی کیفیت میں بھاگتے دوڑتے دکھائی دیں گے۔ ہونٹوں، گھروں اور مشہور عمارتوں کی چھتوں پر سرچ لائیں لگا کر رات کے اندھیرے کو دن کے اُجالے میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اندرتار یکی اور باہر روشنی ہوگی۔ ڈھول ڈھمکا ہوگا، ”بوکانا“ کا شور ہوگا۔ جدید ترین تراش خراش کے لباس میں عریانیت ہوگی جو مستور تھی وہ مکشوف ہوگی، جو نہاں تھی وہ عیاں ہوگی، جو زینت کا شانہ تھی وہ زیب سے خانہ ہوگی، جو باکمال تھی وہ پامال ہوگی، جو نور چشم تھی وہ داستانِ ستم ہوگی۔ عیاشی اور بدتمیزی کا ایسا طوفان اٹھے گا جو ماں، بہن اور بیٹی کا تقدس خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ بہن اور بیٹی کے کامیاب بیچ لڑانے پر بھائی اور والدین تالیاں بجا کر داد دیں گے۔ جسم زمین پر رہ جائیں گے اور حیا فضا میں اُڑ جائے گی۔ ہائے اللہ! ”زندہ دلوں کے شہر میں“ آج کیا کچھ ہوگا۔

البیرونی نے لکھا: ”عید بسنت، بیساکھ میں منائی جاتی ہے، اس مہینے میں استواء ربعی ہوتا ہے، جس کا نام بسنت ہے، حساب سے (جوتش اور علم نجوم کے ذریعے) اس وقت کا چالاکا کراس دن عید کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔“

کسی نے کہا: دنیا کے سارے ہیابت پرست موسم بہار یا بسنت رت کے آنے پر

جشن مناتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بہار کی آمد میں دیوتاؤں کی مہربانی کا فرما ہے۔ بہار کی دیوی کو مصر میں آکس، شام و عراق میں عشتار، یونان میں ونس، ایران میں تائید، روم میں اسیرس، چین میں شیس، ہند میں دُرگا اور عرب میں زہرہ کہا جاتا تھا اور اسے خوش کرنے کے لیے مختلف نذرانے پیش کیے جاتے تھے۔ سب سے قیمتی نذرانہ تو انسانی جان ہے، چنانچہ بہار کی دیوی کو خوش کرنے کے لیے انسان ذبح کیے جانے لگے۔ انڈیا میں اب بھی دُرگا دیوی کو خون دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ زندہ دلان لاہور نے بھی کوجانوں اور چھ سو سے زائد زخمیوں کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔

انسانی اقدار کی پامالی

محققین بسنت کے تہوار کو ایک ہندو اور کے ”حقیقت رائے“ کی یادگار بتاتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزری تھی ہے۔ اس غلیظ رسم کا تعلق کسی گستاخ رسول سے ہو یا گستاخ خدا سے، وہ تو بس یہ جانتے ہیں کہ یہ زندہ دلی کا ایک بہانہ اور آزاد روی کا ہاتھ لگا موقع ہے۔ ناچیز حیران ہے کہ گستاخ رسول کو جہنم رسید کرنے والے غازی علم الدین شہید لاہوری کو زندہ دل کہے یا ایک دشنام طراز کی بدبودار یادوں کا تعفن اٹھانے والے پتنگ باز ”لاہوریوں“ کو۔ جب عقلیں مسخ ہو جائیں، معدہ روح پر غالب آ جائے، نفسانی خواہشیں انسانی قدروں کو پامال کر دیں، شہوتوں کی بندگی ہونے لگے، سفلی مقاصد اور کھیل کود کو مقصد زندگی بنالیا جائے، انسان خود ہی اپنی تباہی و بربادی پر کمر بستہ ہو جائے تو پھر حلال اور حرام کے پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں، جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ سمجھانے والوں سے چڑ ہو جاتی ہے، ان کی دردمندانہ التجا، بے وقت کی راگنی معلوم ہوتی ہے۔ حرمت رسول کا واسطہ دینے میں ذاتی مفاد اور دنیا نویسیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن ظالم حکمرانوں کے لیے یہ ماحول اور یہ انداز فکر بڑا سازگار ہوتا ہے، وہ اس لمحہ مطلوب کے منتظر رہتے ہیں جب ان کی رعایا کھیل کود اور رقص و سرود میں مست ہو کر اپنے حقوق سے غافل ہو جائے اور وہ

اپنے ظالم حکمرانوں کی بے ہودگیوں اور شاہ خرچیوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ روم و یونان کی قدیم تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں وہاں کے ڈکٹیٹروں نے بھی عوام کو ان کے جائز معاشی، سیاسی اور سماجی حقوق سے محروم رکھنے کے لیے یہی روش اختیار کی تھی اور بالآخر انہی فضولیات اور لغویات میں انہماک کی وجہ سے وہاں تباہی نازل ہوئی۔ میرے ملک عزیز کے گھروں و جوانوں کو بھی انہی فضولیات میں لگا دیا گیا ہے۔ بسنت کا میلہ ختم ہونے نہیں پایا کہ میڈیا کے ذریعہ ”ویلنٹائن ڈے“ کا شور برپا کر دیا گیا ہے۔ بتایا جائے گا کہ ساری دنیا میں محبت کا یہ دن منایا جا رہا ہے۔ آخر پاکستانی ہی پیچھے کیوں رہ جائیں اور ان دونوں میلوں کے ساتھ ساتھ کرکٹ میلہ بھی کئی ہفتوں تک ذہنوں پر سوار رہے گا۔ رہی یادِ ظلیل علیہ السلام تو ایک عدد نمائشی بکریا دکھاوے کی موٹی تازہ گائے، دنیا والوں کا منہ بند ہی نہیں کر دے گی، بہت سوں کو احساس کمتری کا بھی شکار کر دے گی۔

درسِ عبرت

لاہور سے شیخوپورہ تک سڑک کے سفر میں گتہ گار آنکھوں نے جگہ جگہ حقیقت رائے کی سلامتی پر پھول چڑھتے دیکھے۔ کیا شہر اور کیا گاؤں ہر جگہ پتنگ بازی ہو رہی تھی، گستاخ رسول کے غلیظ خون سے اڑنے والے چھینٹے مسلمانوں سے خوب انتقام لے رہے تھے۔ حقیقت نہ سہی، بصورت اور مشابہت تو تھی اور کون نہیں جانتا کہ اس راہ میں مشابہت بھی گناہِ کبیرہ سے کم نہیں۔ اتوار کا اخبار دیکھا تو صرف لاہور شہر کی ایک بسنتی رات میں نو ہلاکتوں اور چھ سو زخمیوں کی خبر تھی۔ خبریں تو اور بھی تھیں۔ بھارت سے پاکستانی سفیر کی ملک بدری کی خبر، برادر مسلم ملک عراق پر امریکا کی چڑھائی کا وقت قریب تر آ جانے کی خبر لیکن ”زندہ دلوں“ کے پاس ان خبروں پر غور کرنے یا ان سے عبرت حاصل کرنے کا وقت کہاں؟ وہ بسنت کے پر نقش شب و روز میں کوئی المناک خبر سننے یا اس سے متاثر ہونے کے روادار نہیں۔ آسمان کی وسعتیں ان کی پتنگوں سے آٹی پڑی تھیں۔ وہ اس وقت بہت اونچا اڑ رہے

تھے۔ اتنا اونچا کہ جہاں بینائی کھو جاتی ہے، شعور گم ہو جاتا ہے، عقل کند ہو جاتی ہے، بصیرت جواب دے جاتی ہے، غیرت مرجاتی ہے اور انسان ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، طوطا چشتی کو وفا اور مردہ دلی کو زندہ دلی کی عطا سمجھنے لگتا ہے۔

کیا ہر تفریح جائز ہے؟

مولانا محمد اسلم شیخ پوری

ایک سوال اٹھا ہے اور پورے زور و شور سے اٹھا ہے، ایسے حلقوں میں بھی اٹھا ہے جہاں اس قسم کے سوالات اٹھانے کا رواج ہی نہیں۔ اس سوال کو اٹھانے میں چند اہل دل کا درود شامل ہے۔ وہ قومی سرمایہ کے ضیاع، جانوں کی ہلاکت، دشمنان اسلام کی نفاق اور شعائر اسلام کی توہین و تحقیر برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ہوا کا رخ دیکھ کر جان لیا کہ اگر اس طوفان بدتمیزی کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو یہ طوفان پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، پھر چند دیوانے ہی نہیں ڈوبیں گے بلکہ لب ساحل پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے والوں کو بھی غرقابی سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اگرچہ ہوا تند و تیز تھی لیکن دل والوں نے شب و بجور میں چراغ جلا کر رکھ دیا ہے تاکہ ”جسے مرنا ہے وہ اتمام حجت کے بعد مرے اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔“ انہوں نے منبر و محراب سے صحافت اور اشاعت کے بلند مینار سے آواز حق بلند کی ہے، مردہ دلوں کو جھنجھوڑا ہے، تاریخی اور مستند حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تم دشمن بہاراں کے نام پر جو کچھ کر رہے ہو یہ آوارگی ہے، بدتمند ہی ہے، گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہے، اسراف ہے، سودی قرضوں کے بوجھ تلے سکتی اور غربت اور گرائی کے جبرڑوں میں جکڑی ہوئی قوم کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔ بات دل سے اٹھی تھی، اس میں اٹھانے والوں کا کوئی مفاد، کوئی غرض شامل نہ تھی، نہ وہ شہرت کے خواہاں تھے، نہ لیڈری چکانا چاہتے تھے اس لیے ان کی آواز بے اثر نہیں رہی۔ کچھ لوگ متاثر ہوئے ہیں، چند پیشانیوں پر عرق ندامت کے موتی چمکے ہیں، چند گنگ

زبانیں کھلی ہیں اور انہوں نے بسنت کی غلاظت کو تفریح کے خوشنما پردے میں چھپانے والوں سے سوال کیا ہے کہ کیا ہر تفریح جائز ہے؟

مگر یہ سوال تو صرف ان لوگوں سے کیا جاسکتا ہے جن کا ضمیر زندہ ہے، جنہوں نے دنیا داری کے کبھیڑوں کے باوجود اسلامی تعلیمات سے اپنا تعلق ٹوٹنے نہیں دیا، جو معیشت یا معاشرت، کھیل یا ثقافت کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے ایک نظر کتاب و سنت پر ضرور ڈال لیتے ہیں، جن کے لیے سب سے زیادہ اہمیت شکم پروری اور شہوت پرستی کو حاصل نہیں۔ البتہ جو لوگ ثقافت اور کثافت، طہارت اور غلاظت، تفریح اور شہوت میں تفریق کے قائل نہیں اور جنہوں نے اپنی خواہشات ہی کو شریعت قرار دے رکھا ہے ان کی نظر میں اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ان کے خیال میں جائز اور ناجائز کا سوال دقیقاً نوعیت ہے، قدامت پرستی ہے، ملائیت ہے اور مثلاً جو بھی کہے وہ غلط ہے، تنگ نظری ہے۔ یہ حضرات تفریح کہتے ہیں آپے سے باہر ہو جانے کو، حدود و قیود کو توڑ دینے اور فلک شکاف قہقہے بلند کرنے کو، خواہ یہ قہقہے کسی تڑپتی ہوئی لاش پر بلند ہوں یا جلتے ہوئے گھر پر، کسی عقیقہ کی تار تار چادر پر ہوں یا کسی پسرگم کردہ ماں کی آہ و زاری پر۔ جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کی بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسانی حقوق، مذہبی روایات اور اخلاقی تقاضوں کی اہمیت باقی نہیں رہتی، نفس النمارہ کی لامحدود خواہشوں ہی کو اصل اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

”تاریخ اخلاق یورپ“ اٹھا کر دیکھیے بازظلیوں کے ہاں سب سے زیادہ مقبول کھیل سیانی تھا جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسٹیڈیم میں اسی اسی ہزار افراد کا پُر جوش مجمع ہوتا تھا، امراء و اعیان دولت کی زرق برق پوشاکیں نظروں کو خیرہ کر رہی ہوتیں۔ اس مجمع کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ، فرحت افزا اور مست کردینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا جب ہزیمت خوردہ زخموں سے چور ہو کر جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا اور

موت کے کرب میں آخری پلنگی لیتا۔ اس وقت ۸۰ ہزار زبانون سے یکبارگی صدائے تحسین بلند ہوتی، اس آواز سے شہر کیا معنی، مضافات شہر تک گونج اٹھتے، اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشا شائق اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔ جب خونخوار تفریحات حد سے بڑھ گئیں تو انہیں روکنے کے لیے احکام جاری کیے گئے لیکن سیلاب اتنا پُر زور تھا کہ کوئی آرڈیننس اور کوئی ہنداسہ روک نہ سکا کیونکہ اس کھیل کے طرفدار اسے ظالمانہ عمل نہیں بلکہ تفریح سمجھتے تھے اور تفریح سے دستبردار ہونے کے لیے وہ کسی طور پر آمادہ نہ تھے۔ آپ بازظلیوں کو چھوڑیے اپنے پتنگ باز مسلمان بھائیوں ہی کو لے لیجیے، انہیں سمجھانے والے انداز بدل بدل کر سمجھا رہے ہیں کہ بسنت اور پتنگ بازی صرف ایک گناہ کی حد تک نہیں رہا بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ بن چکا ہے، یہ ہندوؤں کے مذہبی تہوار کی بازگشت ہے، اس کے ڈانڈے گستاخان رسول سے ملتے ہیں، اس میں کروڑوں روپے اور قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اس میں لوٹ کھسوٹ، چوری چکاری، گانا بجانا، بے پردگی، مرد و زن کا مخلوط اجتماع، فضول ہوائی فائرنگ، اڑوس پڑوس بلکہ پورے شہر کی ایذا رسانی، جوا اور شراب نوشی جیسے کئی گناہ شامل ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حالات بھی اس قسم کی تفریحات کی اجازت نہیں دیتے۔ پتنگ بازی ان کھیلوں میں شامل ہو چکا ہے جو نئی نسل کے اخلاقی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور محض خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کہا جا رہا ہے مگر ہمارے بسنت کے مارے ہوئے بعض بھائیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ وہ ایک ہی بات بار بار دہرائے جا رہے ہیں، وہ یہ کہ ”بسنت ایک تفریح ہے اور اسلام نے تفریح کی اجازت دی ہے۔“ اس میں شک نہیں کہ اسلام تفریح کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے، وہ فطرت کے تقاضوں کو نہ دباتا ہے نہ ختم کرتا ہے بلکہ اس کا رخ بدلتا ہے۔ کھیل کود، دل لگی اور تفریح طبع انسان کی

فطرت میں داخل ہے، اس لیے اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و دماغ پر ہر وقت فکرِ آخرت اور غمِ انسانیت چھایا رہتا تھا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے ساتھ، صحابہ کرام اور معصوم بچوں کے ساتھ دل لگی کے لیے وقت ضرور نکالتے تھے۔ کشتی، گھڑ دوڑ اور نیزہ بازی جیسے جنگی کھیلوں میں آپ کا عملی طور پر حصہ لینا احادیث سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسلام میں کسی بھی قسم کے کھیل کی اجازت نہیں۔ عید کے دن کچھ جوشی بچے ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جبکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے جوشی بچو! کھیلتے رہو تا کہ یہود و نصاریٰ کو پتا چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔“

اسی طرح عید کے دن کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں منع کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو یہ عید کے دن ہیں تا کہ یہودیوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا دین گنجائش والا ہے۔ مجھے ایسی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور بہت آسان ہے۔“

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں تو اس کے لیے حکمت کے راستے تلاش کرو۔“

یعنی کوئی ایسی تفریح اور دل لگی کی صورت اختیار کرو جس سے دل کی اکتاہٹ دور ہو جائے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو مغموم اور پریشان دیکھتے تو دل لگی کے

ذریعے اسے خوش فرما دیتے تھے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینِ فطرت میں فطرت کے تقاضوں کو دیا نہیں گیا بلکہ جائز حدود میں رہتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ایسی تفریح جس سے روح کو فرحت، جسم کو صحت اور طاقت، طبیعت میں نشاط اور چستی اور میدانِ جہاد میں مہارت پیدا کرتی ہو وہ صرف جائز ہی نہیں شرعاً مطلوب بھی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھڑ دوڑ، تلواری بازی اور تیر اندازی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا:

”جس نے نشانہ بازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔“

لیکن ایسے کھیل اور تفریحات جو کسی حرام اور معصیت پر مشتمل ہوں یا جن میں مشغول ہو کر انسان اپنے دینی فرائض اور انسانی حقوق سے غافل ہو جائے یا جن کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو یا جن کا کوئی مقصد ہی نہ ہو محض وقت گزارنے کے لیے کھیلا جائے تو شریعت ان کی اجازت نہیں دیتی یہاں تک کہ اگر نشانہ بازی، تیراکی اور دوڑ جیسے جہادی کھیلوں میں بھی یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی موجودگی میں ان کھیلوں کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر گھڑ دوڑ میں جو کھیلا جائے یا شرعی ستر کا اہتمام نہ ہو یا اس میں لگ کر نماز چھوڑ دی جائے تو اس سے منع کر دیا جائے گا۔ ان تفریحات کو سامنے رکھ کر پتنگ بازی، کرکٹ، کبوتر بازی اور ویڈیو گیمز جیسے کھیلوں پر نظر ڈالی جائے جنہیں میڈیا کے ذریعے مقبول عام بنا دیا گیا ہے کہ ان میں شریعت کے کتنے احکام کو پامال کیا جاتا ہے، کتنے قیمتی اوقات کو ضائع کیا جاتا ہے، کتنا سرمایہ برباد کیا جاتا ہے، کتنی بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہے، کتنے حقوق و فرائض کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نجانے کتنے ناجائز امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب باتیں تو ان کے لیے ہیں جن کے ضمیر زندہ ہیں، جن کا اسلام سے تعلق باقی ہے، جو جائز اور ناجائز کی تمیز کے قائل ہیں اور جو اس تمیز کو کھو چکے ہیں ان کے لیے تو بس دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

کیا ہر تفریح ناجائز ہے؟

مولانا محمد اسلم شیخ پوری

بات صرف اتنی سی ہے کہ مقصد اور وسیلہ کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور شریعت کے تقاضوں اور حد بندیوں کو پامال نہ کیا جائے ورنہ کتاب و سنت پر نظر رکھنے والا کوئی عالم، زہد و تصوف کے لباس میں ملبوس کوئی صوفی اور مسید رشد و ہدایت پر بیٹھا ہوا کوئی شیخ مطلقاً تفریح کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ وہ حضرات سراسر بدگمانی، ضد اور تعصب کا شکار ہوئے ہیں جنہوں نے بعض ناروا کھیلوں پر اہل علم کی تنقید سن کر اپنے قلم اور زبان سے تابڑ توڑ حملوں کی بوچھاڑ کر دی ہے اور ”منہا“ کو ہدف بنا کر اس پر چاند ماری شروع کر دی ہے۔ وہ دینترے بدل بدل کر وار کر رہے ہیں اور انداز بدل بدل کر سوالات کر رہے ہیں کہ آخر یہ مولوی لوگ چاہتے کیا ہیں؟ جوئی چیز آتی ہے اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا بیکرا ایجاد ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی، شمس و قمر کی تسخیر ہوئی تو اس کا انکار کر دیا، اب یہ کھیل کود کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ گئے ہیں، یہ پوری امت کو بسم اللہ کے گنبد میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ پوری قوم ہاتھ میں تسبیح پکڑ کر مسجد میں بیٹھ جائے، چہروں پر خشونت، مزاج میں کڑھکی، بات چیت میں سختی ہو، نہ کوئی ہنس نہ کوئی مسکرائے، نہ خوشی کا اظہار نہ جشن نہ تہوار، بس ہر وقت رونا دھونا، آہیں اور سسکیاں۔ آخر ہم انسان ہیں، ہمارے سینے میں بھی دل ہے، ہمارے بھی کچھ جذبات ہیں، یہ جذبات اظہار چاہتے ہیں۔ یہ بلا گھا، یہ کھیل کود یہ ہاؤس، یہ طبعی جذبات کے اظہار ہی کی تو صورت ہیں۔ اگر ان جذبات کے اظہار پر پابندی لگائی گئی تو گھٹن پیدا ہوگی، نوجوان نسل بغاوت کی راہ پر چل پڑے گی۔ آپ جب بسنت کو

ہندوؤں کی نقالی، ویلنٹائن ڈے کو مغربی اقوام کی تقلید، نئے سال کی آمد پر ”ہاؤ ہو“ کوفیق و فہور، اپریل فول منانے کو گناہ کبیرہ، رقص و سرود کو فاشی، فلم اور ڈرامہ کو بے حیائی، وڈیو گیمز کو بے راہ روی، گانا سننے سنانے کو حرام قطعی، کبوتر بازی اور مرغ بازی کو شیطان عمل اور کرکٹ کو وقت کا ضیاع قرار دے دیں گے تو خود ہی سوچئے کہ کیا معاشرہ میں گھٹن پیدا نہیں ہوگی؟ نوجوانوں کے جذبات کا خون نہیں ہوگا؟ اور کیا وہ یہ سوال کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ کیا ہم مسلمانوں کے لیے ہر تفریح حرام ہے؟ اور کیا ایک آئیڈیل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کی شگفتگی، خوش مزاجی اور تفریح سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے؟ تو ان جارحانہ سوالات کا جواب یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں۔

دین کا کوئی مبلغ، کوئی داعی، کوئی مجاہد اور کوئی خادم بلا تفریق ہر تفریح، ہر دل لگی اور ہر خوش مزاجی کو حرام نہیں کہہ سکتا۔ یہ علماء تو اس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں جس کی شگفتگی اور خوش طبعی کے واقعات جماعت انبیاء میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک طرف آپ کا قلب مبارک عرفان الہی میں ڈوبا رہتا تھا اور انسانیت کا درد آپ کو بے چین رکھتا تھا، شب کی تنہائی میں جب آپ پر گریہ طاری ہوتا تو سینے سے یوں آواز نکلتی جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے، معصوم بچوں سے اور صحابہ کرام سے ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ چہرہ مبارک ہر وقت بشاش رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے مسکراتے چہرے سے ملتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں بیسیوں واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ مختصر سا کالم ان کے ذکر کا قائل نہیں ہو سکتا۔

ہم تو صرف یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام، تنگ دلی، مایوسی اور رہبانیت کا مذہب نہیں ہے، اس میں انسان کے جائز طبعی تقاضوں کی تکمیل کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام میں انسانی جذبات کے اظہار کے مواقع بھی ہیں اور خوشی کے تہوار بھی،

مزاح کی نمکینی بھی ہے اور کھیل کو تفریح کی اجازت بھی، لیکن جو کچھ بھی ہے اس کے کچھ حدود اور اصول ہیں۔ اسلام مسلمان کو بے لگام نہیں چھوڑتا کہ وہ تفریح طبع کے نام پر جس وادی میں چاہے منہ مارے اور شہوانی پیاس بجھانے کے لیے جس چشمہ سے چاہے سیراب ہوتا رہے۔ پھر یہ چیز بھی ہے کہ اسلام کھیل کو اور مزاح و ظرافت کو محض وسائل کا درجہ دیتا ہے، زندگی کا مقصد بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان کی زندگی انتہائی قیمتی متاع ہے، یہ متاع کوڑا کرکٹ خریدنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہیرے اور جواہر حاصل کرنے کے لیے ہے۔ جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیے نہیں ہے جنت کی راہوں پر چلنے کے لیے ہے۔ یہ کیا ہوا کہ کافر کی زندگی کا مقصد بھی فلم، اسٹیج، ہلز بازی اور کھیل کود کے میدان میں نام پیدا کرنا ہو اور مسلمان کی زندگی کا بھی مقصد یہی ہو۔ جب کہ آج صورت یہ ہے کہ مسلمان مردوں ہی نے نہیں بے شمار مسلمان خواتین نے بھی اپنی زندگی کا مقصد کھیل کود کو بنالیا ہے، وہ ساری زندگی کھیل ہی کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا کھیلنا اس لیے نہیں ہوتا کہ جسم مضبوط ہو، ذہن کو تروتراوت حاصل ہو، طبیعت میں تازگی اور نشاط پیدا ہو اور پھر اس تازگی اور صحت سے فائدہ اٹھا کر وہ کوئی ایسا کام کر سکیں جس میں ملک و ملت کا فائدہ ہو، بلکہ وہ تو جسم کی مضبوطی، طبیعت کی تازگی اور ذہن کی تروتراوت اس لیے حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ طویل عرصہ تک کھیل سکیں۔ پھر جب ان کھلاڑیوں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے، ملٹی میشل کمپنیاں انہیں اپنے اشتہارات میں اسپانسر کرتی ہیں، سائنسدانوں، علماء، اساتذہ اور قوم کے محسنوں کو وہ عزت نہیں دی جاتی جو ان کھلاڑیوں کو دی جاتی ہے تو پھر ان کی دیکھا دیکھی نئی نسل کے ہر فرد کے دل میں کھلاڑی اور خاص طور پر کرکٹ بے نی کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ آج کل کرکٹ ہی وہ کھیل ہے جسے میڈیا کے زور پر مسلمانوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیا گیا ہے، چنانچہ ہر پارک، ہر گلی اور بازار کرکٹ کا میدان بن کر رہ گیا ہے اور ہر دفتر اور اسکول کنٹری کی آواز سے گونج رہا ہے، پھر اس فضول

کام میں انہماک کا عالم یہ ہے کہ ملازمین اپنے فرائض سے، والدین اپنی ذمہ داریوں سے، اولاد والدین کے حقوق سے اور بندے اللہ کی عبادت سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔ بعض معاصر کالم نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب علماء کرام کو چٹنگ بازی، کرکٹ اور ویڈیو گیمز وغیرہ میں اتنی ساری خرابیاں نظر آتی ہیں تو آخر وہ ایسے کھیلوں کا تعین کیوں نہیں کر دیتے جو ان کی نظر میں شرعاً جائز اور ان خرابیوں سے پاک ہیں۔ یہ سوال بہت پرانا ہے، جب یہ سوال اٹھایا گیا تھا اسی وقت اس کا جواب بھی دے دیا گیا تھا جس کا خلاصہ آج کی آسان زبان میں یہ ہے:

(الف) ہر وہ کھیل جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا وہ ناجائز ہے۔

(ب) جس کھیل میں دین یا دنیا کا کوئی قابل اعتبار فائدہ ہو وہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں مشغولیت کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کی پامالی نہ ہو۔

(ج) جس کھیل سے دین یا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہو لیکن اس میں کوئی

خلاف شریعت چیز شامل ہو جائے تو وہ ناجائز ہے، جیسے تیر اندازی یا گھڑ دوڑ وغیرہ میں جب قمار اور بھوئے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو یہ ناجائز ہوگا، یونہی کوئی ایسا کھیل جو کفار کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کی مشابہت کی وجہ سے وہ بھی ناجائز ہوگا۔ اس وضاحت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال، لان ٹینس، بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس وغیرہ فی نفسہ جائز ہیں بشرطیکہ شریعت کی رعایت کی جائے لیکن جب ان کھیلوں کو زندگی کا مقصد بنالیا جائے، ان کی خاطر خانگی ذمہ داریاں ہی نہیں اللہ کی عبادت بھی فراموش کر دی جائے، بے پردگی، مردوزن کا اختلاط، ڈانس اور ناچ بھنگڑے کو ان کھیلوں کا حصہ بنالیا جائے تو پھر بہر صورت ان سے منع کیا جائے گا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض کیونکہ اللہ والے کہہ گئے ہیں۔

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے

وہ علماء کرام جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ ساتھ امت کی ہستی

زوال اور مظلومیت کا درد بھی عطا کیا ہے ان پر لازم ہے کہ وہ طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر اپنے اپنے حلقہ اثر میں مذکورہ کھیلوں میں در آنے والی قباحتوں کو بیان کریں۔ اگر انہوں نے منکرات اور گناہوں پر مشتمل کھیلوں سے قوم کو منع کرنے کی ذمہ داری میں تغافل برتنا تو پھر ان کے خاندان میں بھی علماء نہیں کرکڑ اور فنکار بنی پیدا ہوں گے اور یہ وہابی کھیل اسکول، کالج تک محدود نہیں رہیں گے، دینی مدارس بھی ان کی لپیٹ میں آ جائیں گے..... خدا کرے کہ ایسا کبھی نہ ہو۔

بسنت ایک ہندوانہ تہوار

ملا معاویہ حنفی

آمد بہار

بہار آتی ہے تو ہر طرف قدرت کے حسین نظاروں کا تاحہ نگاہ ایک دلفریب منظر ہوتا ہے۔ پودے نرم و نازک کونپلوں اور خوش رنگ پھولوں سے مزین ہونے لگتے ہیں، ویرانوں میں بھی سبزہ لہلہانے لگتا ہے، پوری زمین قدرت کے عطا کردہ حسن سے بھر جاتی ہے، ایسے میں اگر کوئی شخص جنگلوں یا دیہاتوں میں نکل جائے تو فضا میں پھیلی بھینی بھینی خوشبو انسان کی روح کو تازگی اور بالیدگی عطا کرتی ہے۔ قدم قدم پر رنگ و بو کے بکھرے یہ نظارے ذات حق تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت کا اعلان عام کر رہے ہوتے ہیں۔ عقل و فطرت اگر سلیم ہو، ضمیر و وجدان شیطانی آلائشوں سے آلودہ نہ ہو گئے ہوں تو یہ نشانیاں رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ ان مظاہر کے مطالعہ و مشاہدہ سے ایمانی کیفیات میں اضافہ ہوتا ہے اور سلیم الفطرت انسان اپنی عبادت کے اظہار کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر یہی انسان ان اعلیٰ صفات سے تہی دامن ہو تو یہ نظارے بسا اوقات گہری تاریک وادیوں اور گناہوں کی پُر خار پگڈنڈیوں کا مسافر بنا دیتے ہیں۔ ان راہوں کی کوئی منزل ہوتی ہے نہ نشان منزل۔ پھر وہ خود بھی بھٹکتا ہے اور دوسروں کے بھٹکنے کا سبب بنتا ہے۔ تب اسے اپنے دینی عقائد و اعمال بوسیدہ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تہذیب معاذ اللہ دقیانوسی اور وعظ و نصیحت کی ہر آواز تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ اور بہار

انسان نے اپنی تفریح طبع کے لیے مختلف کھیل ایجاد کیے اور اپنی خوشی کے اظہار کے لیے مختلف دن مقرر کیے۔ ہر قوم میں ایسا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو مواقع دیے جس میں وہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی خوشی اور تفریح کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔ انہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں موسم بہار کے شروع میں ایک تہوار منایا جاتا ہے جس کو بسنت کہتے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ میں بسنت کے لفظ کے تحت لکھا ہے:

”یہ سنسکرت کا لفظ ہے۔ گل عصر، گل کا جبر، نعمات جوش افزا، عشق انگیز کا موسم، موسم بہار، ہندی چہر رتوں میں پہلی رت کا نام، وہ گیت جو بسنت میلہ میں گاتے ہیں۔“

”بسنت پنجمی = ہندوؤں کے تہوار کا نام، ہستی پوش: زرد پوش ہستی: زرد، پیلا، بسنت کے میلے میں جانے والے وغیرہ وغیرہ۔“

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تہوار کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بسنت خالصتاً ایک ہندو تہوار ہے۔ زرد رنگ ہندوؤں کا خاص شعار ہے اور ان کے یہاں بسنت کے موقع پر بطور خاص اس رنگ کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ معروف سیاح ایوریمحان البیرونی اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں:

”اس مہینے میں استوار، ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ ہندو لوگ حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور نیا ٹلہ تبرک پانی میں ڈالتے ہیں۔“ (کتاب الہند)

تاریخ لاہور (از عبد اللطیف ص ۲۶۰) میں درج ہے:

”مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے بسنت میلہ منعقد کیا جاتا تھا اس دن اتنا جشن منایا جاتا کہ مہاراجہ سمیت سردار اور عام فوجی بھی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا۔“

بے ضمیر لوگوں کا مشغلہ

قیام پاکستان سے قبل ہندو تہواروں کے زیر اثر اور بعد میں ہندوستان کی مادر پدر آزاد قلمی ثقافت کی یلغار نے کچھ بے ضمیر مردہ دل مسلمانوں کو بسنت کے خطہ میں مبتلا کر دیا ہے، وہ بلا سوچے سمجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے ہندو کی یاد میں رائج ہونے والے تہوار کو مناتے ہیں۔ ڈھولک کی تھاپ، موسیقی کی بے ہنگم مکروہ آواز، فحش گانوں کے کیسٹوں کے دوران شرم و حیا سے عاری اور ہندو کلچر کے دلدادہ مرد و خواتین مل کر بسنت کا دن گزارتے ہیں۔ اس موقع پر پاکستانی و بھارتی اداکاراؤں کو بطور خاص بلایا جاتا ہے۔ ”بوکانا“ کے نعرے لگتے ہیں، بے تحاشا فائرنگ ہوتی ہے، شراب خانہ خراب کے دور چلتے ہیں، امراء کی خاص محفلوں میں وہ قبیح افعال انجام دیے جاتے ہیں کہ شیطان بھی شرم ماجائے، جانور بھی ان گندے اعمال سے پناہ مانگتے ہوں گے۔ ڈور کاٹنے اور پتنگ لڑنے کے لیے اب تک بے شمار نوجوان موت کی وادیوں میں کھو چکے ہیں۔ بہت سے اپنی نا نگلیں خدوا کر ہمیشہ کے لیے اپنا جی ہو چکے ہیں۔ دھات کی تار استعمال کرنے سے بار بار بجلی منقطع ہوتی ہے۔ جس شہر میں بسنت میلہ منایا جا رہا ہو وہاں مریضوں کو سکون نصیب ہوتا ہے نہ عبادت گزار بندے توجہ سے عبادت الہی میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ بعض منچلے سارا دن اور ساری رات فل آواز میں ڈیک لگا کر اڑوس پڑوس میں رہنے والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں، تب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کسی اسلامی ملک کے شہری نہیں بلکہ ہندوستانی راجواڑوں کی پیداوار ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پتنگ بازی کے لیے ڈور کے دھاگے کے ٹریڈ مارک بھگوان مارک، پانچ پانڈہ، دو ریچھ، پانچ ریچھ اور مور مارک سب ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ بسنت سے اس قدر جنونی تعلق ہو چکا ہے کہ بسنت کا عفریت لاہور سے نکل کر پنجاب کے دوسرے شہروں کو جرنوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد اور دیگر چھوٹے بڑے شہروں میں پھیل چکا ہے۔ اسے ایک ہی دن میں نہیں منایا جاتا بلکہ ہر

بڑے شہر کے لیے مختلف دن مقرر ہیں تاکہ ایک دوسرے کے ہاں جا کر اس شیطانی کھیل میں حصہ لیا جاسکے۔

پتنگ بازی کی خرابیاں :

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں پتنگ بازی کی جو خرابیاں درج کی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں۔
”اب کنکوے (پتنگ بازی) کی نسبت بھی سن لیجیے جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں قریب قریب اس میں بھی موجود ہیں۔
۱ کنکوے (پتنگ) کے پیچھے دوڑنا جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر کے پیچھے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا۔

۲ دوسرے کے کنکوے (پتنگ) کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں لوٹنا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مؤمن رہے (بخاری و مسلم) یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے تاویلی معنی خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ظاہر اتنا اس شخص کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خارج از ایمان قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کو لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے اس لیے اس کو لوٹنا جائز ہے تو یہ بالکل غلط ہے مالک کی اجازت ہرگز نہیں ہوتی چونکہ عام رواج بن گیا ہے اس لیے مالک خاموش رہتا ہے، حالانکہ وہ اس سے خوش نہیں ہوتا، اگر اس کا بس چلے تو خود دوڑے اور کسی کو بھی پتنگ نہ لینے دے۔

۳ ڈور کو لوٹ لینا اس میں بھی ایک اعتبار سے پتنگ لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے۔ کیونکہ پتنگ تو ایک ہی ہاتھ میں لگتی ہے اور وہی گناہ گار ہوتا ہے جبکہ ڈور تو بیسیوں آدمیوں کے ہاتھ میں آتی ہے اور سب کے سب گناہ گار ہوتے ہیں اور اس کا سبب وہی پتنگ باز ہے۔

۴ ہر شخص کی نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کی پتنگ کو کانٹوں اور اس کا نقصان کروں تو مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام کام ہے۔

۵ نماز سے غافل ہو جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی علت بتلایا ہے۔

۶ اکثر کوشیوں کی چھتوں پر کنکوے اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

۷ بعض اوقات کنکوے (پتنگ) چڑھاتے ہوئے پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور کوٹھے سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

۸ ایک خاص خرابی یہ ہے کہ اس میں آلہ علم کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کاغذ سے گڈی بنتی ہے یہ آلہ علم ہے۔

۹ ان سب کھیلوں میں مال مفت کا ضائع ہوتا ہے اور فضول خرچی کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے۔“

گستاخ رسول کی یاد میں بسنت میلہ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! عشق رسول میں جان کی بازی لگا دینے کا دعویٰ کرنے والو!

پورا ملک مطالبہ کر رہا ہے کہ گستاخ رسول کی سزا موت مقرر کی جائے۔ ہر منبر و محراب سے یہی آواز سنائی دے رہی ہے۔ ہر درد مند مسلمان کی یہی صدا ہے۔ بسنت کے غلط اور حرام ہونے کے لیے یہ کیا کم تھا کہ یہ تہوار ایک گستاخ رسول ہندو کی یاد میں منایا جاتا ہے! چہ جائے کہ اس کے دیگر نقصانات اس قدر ہیں۔

ذرا سوچیے! ہم مسلمان ہیں، ہمارے آباء اجداد نے بے پناہ قربانیاں دے کر ہندوؤں سے علیحدہ وطن حاصل کیا۔ کیا ہم بسنت مناکر تحریک آزادی کے شہداء سے غداری

نہیں کر رہے؟ کشمیر کی آزادی کے لیے لڑنے والے مجاہدین اور شہید ہونے والی ماؤں، بہنوں کے خون سے بے اعتنائی نہیں برت رہے؟

ہر سال کروڑوں روپے اس شیطانی کھیل پر صرف کیے جاتے ہیں، اس قیمتی سرمائے کا محض کچھ حصہ ہی اُمت کے غریب، یتیم، مساکین پر خرچ کیا جاتا تو کیا ایک خوشگوار تبدیلی نہ آتی؟ ہزاروں ٹھنڈے چولہے گرم نہ ہو جاتے؟ بہت سی غریب بچیاں غربت کی وجہ سے شادیوں کیلئے منتظر بیٹھی ہیں ان کے نادار والدین اپنے ارمان پورے نہ کر لیتے؟ سینکڑوں ہزاروں مجاہدین ہندوؤں سے برسرِ پیکار کشمیر میں جانیں دے رہے ہیں، یہی سرمایہ اگر ان خدا مست مجاہدین پر صرف کیا جاتا تو کیا یہ اللہ کے مقرب بندے اسلحہ و بارود خرید کر ہندو کو کشمیر سے نکل بھاگنے پر مجبور نہ کر دیتے؟

۵ فروری کو ”کشمیر ڈے“ منانے والو! اتنی جلدی کیوں بھول گئے کہ جو تہوار ہم منارہے ہیں وہ ہندوؤں کا تہوار ہے؟

اے اللہ کے بندو!

بسنٹ ایک فضول تہوار ہے۔ جن کا ہے انہی کو منانا چاہیے۔ غیروں کی رسموں کو اپنا کر نہ ہم اپنے خالق و مالک کی نظر میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ملک و قوم کا اس میں بھلا ہے۔ بہار کا موسم تو ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا اقرار کیا جائے، اس کے سامنے جبینِ نیاز جھک جائے اور دل معبودِ حقیقی کی طرف مائل ہو جائے، نہ کہ ہندوؤں کی شیطانی خرافات میں خود کو کھود یا جائے۔

اس اجتماعی حرام فعل پر حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ پابندی لگائے اور والدین پر بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو روکیں۔ مگر نہ جس پینے پر یہاں تیاریاں کر کے بسنٹ منائی جاتی ہے کل کلاں اس بات کی تمیز بھی اٹھ جائے گی کہ یہ ایک ہندو تہوار ہے۔ پھر انجانے میں مسلمان بھائی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جہنی گستاخ کی یاد زور و شور سے مناتے رہیں گے۔

بسنٹ جیسی رسم بد پر ایک تبصرہ

ضربِ مؤمن جلد ۵ شمارہ ۸ میں بسنٹ کی فتنہ پر ایک تبصرہ شائع ہوا جسے قارئین کے استفادہ کی غرض سے پیش کیا جا رہا ہے۔

بسنٹ کی رسم بد پر مکمل پابندی ضروری ہے

پچھلے دنوں یہ خوش آئند خبر پڑھنے کو ملی ہے کہ کراچی میں بسنٹ کے تہوار کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کراچی کے اضلاع میں دفعہ ۱۴۴۲ لگا کر بسنٹ کے تہوار پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ خبر کے مطابق ڈپٹی کمشنر ساؤتھ نے ضلع میں کئی فائیو اسٹار ہوٹلوں کو نوٹس بھیجے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ یہ غیر اسلامی، پیسے کا زیاں اور انسانی جانوں کے لیے نقصان دہ تہوار ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ پنجاب بالخصوص لاہور میں ۷۸ فروری تک مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے والے اس تہوار کے لیے لاہور میں ۱۶ سے ۱۸ فروری تک مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے ہیں، جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ واضح رہے کہ محققین کے مطابق جشنِ بہاراں کے نام سے منعقد کیا جانے والا یہ تہوار درحقیقت کالورام کی یاد میں منایا جاتا ہے کیونکہ جب کالورام کو موت کی سزا ہوئی اس دن بسنٹ معرضِ وجود میں آیا۔ یہ خالصہ غیر اسلامی تہوار سالہا سال سے اسلام کے نام پر منائے جانے والے ملک میں سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے۔ جبکہ شرعاً ممنوع ہونے کے ساتھ اس کے دنیوی نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی عاقل اس کو درست نہیں کہہ سکتا۔ اس تہوار کے دنوں میں قرضوں میں گھرے ہوئے اس ملک کے عوام ہزاروں لاکھوں روپے کاغذ کی پٹٹیوں پر اڑا دیتے ہیں، چھتوں سے گر کر اور فائرنگ کی زد میں آ کر کتنی ہی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، بلکہ اب تو اس بہانے سے بڑے بڑے

ہوٹلوں میں مخلوط اجتماعات ہوتے ہیں جن میں غیر ملکی سفیروں اور این جی اوز کے نمائندے خصوصیت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں جو ہمارے ملک میں فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا چاہتی ہیں، اس طرح یہ تہوار ہماری اخلاقی اقدار کے لیے زہر قاتل بنتا جا رہا ہے۔ اس بناء پر حکومت پر لازم ہے کہ جن وجوہ کی بناء پر کراچی شہر میں اس فتنہ تہوار پر پابندی عائد کی گئی ہے انہی وجوہ کی بناء پر ملک بھر میں اس پر پابندی لگا سکے۔ جو حضرات اس کو خوشی کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ خوشی خوشی میں کسی کی جان لینا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ روزنامہ جنگ میں خبر شائع ہوئی ہے کہ لاہور میں پٹنگ بازنوں کی ہوائی فائرنگ سے ایک ۱۸ سالہ نوجوان شہزاد حسین ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح کے دل دوز واقعات اس تباہ کن رسم کے دوران بکثرت پیش آتے ہیں، لوگوں کی جس خوشی کے پیچھے ہلاکتیں پوشیدہ ہوں اس کی اجازت کس طرح دی جاسکتی ہے؟ لہذا حکومت کو اس تہوار اور ان تقریبات پر مکمل پابندی عائد کرنا ہوگی ورنہ شہزاد حسین جیسے کئی نوجوان اس تہوار کے بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ حضرات علماء کرام اور اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اس رسم بد کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حکومت سے اس پر پورے ملک میں پابندی لگوانے اور عوام کو اس مہلک رسم سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔



بسنٹ پر ضرب مؤمن کا ادارہ

کہیں یہ جشن ہمیں لے ہی نہ ڈوبیں

لاہور میں ہندوانہ تہوار بسنٹ کی ہڑ بونگ میں چار افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ ان ہلاکتوں اور وسائل کے ضیاع سے بڑھ کر نقصان اور افسوس کا باعث یہ ہوا ہے کہ متعصب ہندو لیڈر بال ٹھا کرے نے مملکت اسلامیہ کے صوبائی دارالحکومت میں اتنے بڑے پیمانے پر یہ ہندوانہ رسم منائے جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے اپنی اہم کامیابی قرار دیا ہے۔ قرضوں کے بوجھ تلے دبے، بیروزگاری، مہنگائی اور معاشی ابتری کے شکار ملک میں پہلی مرتبہ اس تہوار کو سرکاری سرپرستی میں منایا گیا۔ شب بھر میں ہزاروں لاکھوں روپے بے جا مصرف پہ پھونک ڈالے گئے۔ رقص، ہوائی فائرنگ، بے ہنگم موسیقی اور شور شرابے نے پوری رات لاہور شہر اور اس کے باسیوں کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ بعض دانشوروں کی طرف سے اسے بسنٹ کی بجائے ”جشن بہاراں“ کا نام دے کر قومی تہوار کا رنگ دینے کی مہم جاری تھی کہ ملک کی مقتدر ترین ہستی نے اسے غریبوں کے فائدے اور ملک میں سرمایہ کاری کا ذریعہ قرار دے کر سب جواز عطا کر دی ہے اور اگلے برسوں نجانے اس تہوار کی تقریبات کیا رخ اختیار کریں گی؟ کسی چیز کے اختیار کرنے یا چھوڑنے کا فیصلہ کرتے وقت نجانے ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم ایسی ملت کے فرد ہیں جس کی کامرانی اور ناکامی کے لیے خالق کائنات نے کچھ اصول طے کر رکھے ہیں، ان سے ہٹ کر ہم فلاح کی راہ تلاش کریں گے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ایک ایسی چیز جو نہ صرف یہ کہ ہمارے مذہب کی رُو سے قطعاً غلط ہے بلکہ ہمارے دشمنوں کی تہذیب اور ان کی نظر میں ہماری تذلیل کا باعث

ہے، ایک زندہ اور غیرت مند قوم کس طرح بڑھ چڑھ کر اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کیا ہم ملتی جملت کے لحاظ سے اس قدر گر چکے ہیں کہ ہم پر اپنے بدترین دشمن کے طعنوں کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ بال ٹھا کرے نے ویلنٹائن ڈے کو عیسائی رسم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ یہ دن منانا چاہتے ہیں وہ امریکا چلے جائیں۔ بت چلتی جیسی حماقت کے شکار جنونی توغیروں کی تہذیب سے اتنے متنفر ہیں لیکن آسمانی تعلیمات پر یقین رکھنے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار اپنے جانی دشمنوں کی رسوم کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ غیر مسلموں سے بڑھ کر ان تہواروں کو منا رہے ہیں!! آخر اخلاقی گراؤ اور ملی غیرت سے محرومی کی کوئی حد بھی ہے؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمانیں یہود

اس تہوار سے غریبوں کو اگر کوئی فائدہ ہوا بھی تو کیا یہ اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے جو ان دنوں لٹائی گئی دولت سے ہوا؟ بیرون ملک کی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کے لیے اگر ہمیں اپنی شناخت کھوئی پڑے یا قومی غیرت کو گروی رکھنا پڑے تو کیا ہم یہ بھی کر گذریں گے؟ ایک طرف ہمیں سخت دشمنوں کا سامنا ہے، ملک کی معیشت قرضوں کے بوجھ تلے اکھڑتے سانس لے رہی ہے، بیروزگاری کے ہاتھوں تنگ آئے نوجوان خودکشیاں کر رہے ہیں، ان حالات میں ہم خدا تعالیٰ کے حضور سرسجود ہو کر اپنے گناہوں کی معافی اور اس کی رحمت طلب کرنے کی بجائے ساری رات اس کی نافرمانی میں جاگ کر گزار رہے ہیں، یہ سب کچھ ہماری تباہی کی علامات ہیں یا بھلائی کی نوید؟ اس کا فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم قدرتی آفات اور غیروں کی غلامی سے بچنے اور ایک زندہ و باشعور قوم کی طرح رہنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

ضرب مؤمن کے ایک قاری کا مراسلہ

مغربی اور ہندو کلچر کے آثار

دین اسلام محض روایتی مذہب نہیں بلکہ مکمل اور جامع نظام زندگی ہے جہاں ہمیں اس بات کا احساس ہے وہیں پر اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ ہم بحیثیت امت مسلمہ اپنی شناخت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اچھائی و برائی کی تمیز مٹ چکی ہے اور یہ بھی بھلا بیٹھے ہیں کہ مسلم معاشرے کا امتیازی وصف کون سا ہے۔ ہمارے ارد گرد برائیوں کا نہ ختم ہونے والا طوفان برپا ہے اور ہم اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے قطعی عاری ہو چکے ہیں۔ میڈیا سیکولر تہذیب کا پرچار کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول و طریقے بتا دیے، خوشیاں منانے کے دو تہوار بھی عطا کیے اور انہیں منانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ہمارے تمام معاملات میں مغربی و ہندو ان کلچر کا گہرا اثر ہے اسی طرح ہمارے تہواروں میں بھی ان کے تہوار شامل ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کا رنگ تمام شہروں میں نظر آنے لگا ہے اور نوبت یہاں تک آچکی کہ یہ دن منانے کے لیے تمام طور طریقوں میں طبقاتی تقسیم بھی کر دی گئی۔ بہار کی آمد کے ساتھ بسنت میلہ کی تیاری بڑے تہوار کے طریقے سے کی جاتی ہے جب کہ ہماری اکثریت بھی ناواقف ہے کہ یہ میلہ کیوں منایا جاتا ہے؟ ایک ایسی قوم جس کی ۸۰ فیصد آبادی خط غربت کی زندگی گزار رہی ہے وہاں پتنگ، ڈور وغیرہ پر لاکھوں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ اسلحہ کا بے دریغ استعمال پتنگ بازی میں سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے، کبھی ایسا نہیں ہوا ہوگا

کہ بسنت کے اگلے دن جانی نقصان کی اطلاع نہ ملی ہو، یہی حال ویلنٹائن ڈے کا ہے۔ ان تہواروں کی حقیقت جو بھی ہو ہمیں بحیثیت امت مسلمہ ان کی منہ پر کرنی چاہیے۔ اخبارات کے ذریعے ان بے ہودہ رسوم کی تشہیر تمام چیزوں سے بڑھ کر ان تہواروں کو اہم قرار دینا کس بات کا مظہر ہے؟ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے دعویدار ہوتے ہوئے یہ دن کیونکر مناتے ہیں؟ کبھی سوچا ہے ہم لوگوں نے بھی؟

محمد جنید فرمان - کراچی

ایک اور قاری کا مراسلہ

جو قارئین کی نشست میں شائع ہوا

محترم جناب مفتی ابولبابہ صاحب
السلام علیکم

میں تقریباً گزشتہ ڈیڑھ سال سے ”ضربِ مؤمن“ کا قاری ہوں اور فہم دین کورس میں شریک بھی ہوں۔ آپ نے اپنے گزشتہ مضمون میں ”بسنت“ کے بارے میں قارئین سے بھی معلومات طلب فرمائی ہیں، بندہ نے بھی اس موضوع پر کچھ تحقیق کی کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ آپ جیسے عالم دین کی مفصل و مدلل تحقیق کے قریب بھی نہیں پہنچتی، بندہ کی حقیر سی کوشش پیش خدمت ہے:

دلیل نمبر ۱: آپ نے اپنے پچھلے مضمون میں ذکر کیا ہے کہ اس تہوار کا تعلق ہندو مذہب کی ایک دیوی سرسوتی سے بھی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آج کے لوگوں کو ہر چیز کا ریفرنس چاہیے ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آپ کی معلومات کا ایک اور ریفرنس ملاحظہ ہو:

”امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی آفیشل ویب سائٹ پر ”میٹنگ گاڈ“ کے کالم میں لکھا ہے: سرسوتی (علم) آرٹس، ڈانس اور میوزک کی دیوی) کو شمالی بھارت میں پوجا جاتا ہے، بسنت چٹھی کے تہوار پر۔ یہ تہوار ہندو مہینے مگھ (جنوری/فروری) میں ہوتا ہے اور خاندان اپنی اپنی پوجا کرتے ہیں سرسوتی کی بسنت چٹھی کے دن۔“

اب اس تہوار کے ہندوانہ ہونے کی گواہی ایک ہندو اخبار کے ہندو کالم نگار سے بھی

ملاحظہ ہو:

دلیل نمبر ۲): ”مشہور ہندو اخبار ”دی ہندو“ کا کالم نگار ”جی رامن ہورریڈی“ اسی اخبار میں لکھتا ہے: ”آپ کبھی یہ بات ذہن میں نہ لائیں گے کہ لاہور میں ایک پبلک میلہ بسنت کے نام سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں منائے جانے والا پبلک ہالی ڈے ایک ہندو نام کے ساتھ؟ ایک ایسا تہوار جو اسی دن منایا جاتا ہے جس دن بھارت میں ”بِسْمِ اللَّهِ“ منایا جاتا ہے۔“

دلیل نمبر ۳): ”بھارت کا ایک مشہور اخبار ”دی چندریگرھ“ کی بیون بھارت کے ایک اسکول سے منسوب خبر شائع کرتا ہے کہ ”طلبہ اپنے ساتھ ٹیٹھے چاول لائے جو پیلے رنگ کے تھے اور بسنت تہوار سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسکول کا اسٹاف پیلے رنگ کے کپڑے پہنتا تھا۔“

امید ہے کہ آپ بندہ کی اس ادنیٰ سی کوشش کو پسند کریں گے اور بارگاہِ الہی میں اس کی قبولیت کے لیے دعا کریں گے اور ساتھ ہی بندہ کے گناہوں سے حفاظت کے لیے بھی۔
ازراہ کرم میرا نام پوشیدہ رہنے دیجیے۔ (م۔ع۔۱)

الجواب :

آپ نے جو معلومات بھیجی ہیں وہ مفید ہیں اس طرح بسنت کے خلاف مہم کی کامیابی کے لیے اگر کوئی مفید تجویز ہو تو آگاہ فرمائیں تاکہ یہ کبیرہ گناہ ہمارے معاشرے سے ناپید ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش قبول فرمائے اور اپنی محبت و معرفت نصیب فرمائے۔



ضرب مؤمن کے ایک قاری کا خط

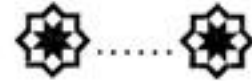
محترم مدیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ اسی ہفتے کی اشاعت میں کسی دوست نے بسنت کے بارے میں آپ لوگوں سے سوال پوچھا تھا لہذا میں اس کا جواب ارسال کر رہا ہوں، اسے اگلے ہفتے کی اشاعت میں تمام مسلمانوں کے لیے ضرور شائع کیجیے۔ شکریہ!

بِسْمِ اللَّهِ کا تہوار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے ہندو ملعون (حقیقت رائے ہاکھ مال پوری) کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ غیور مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ یہ تہوار ہندوؤں کا ہے جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے والے کی یاد میں ہندو مناتے ہیں۔ اس بات کا شاید اہل پنجاب کو بھی علم نہ ہو۔ ایک بہت ہی قابل سکھ مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب ”پنجاب آخری مغل دور حکومت میں“ ذکر کیا ہے کہ کزیا خان (۱۷۵۹ء-۱۷۷۰ء) میں پنجاب کا گورنر تھا۔ ڈاکٹر نجار اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حقیقت رائے ہاکھ مال پوری سیالکوٹ کے کھتری کا لڑکا تھا۔ حقیقت رائے نے دو جہاں کے سردار رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو آفیسر گورنر زکریا خان کے پاس گئے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔ لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور حقیقت رائے کو سزائے

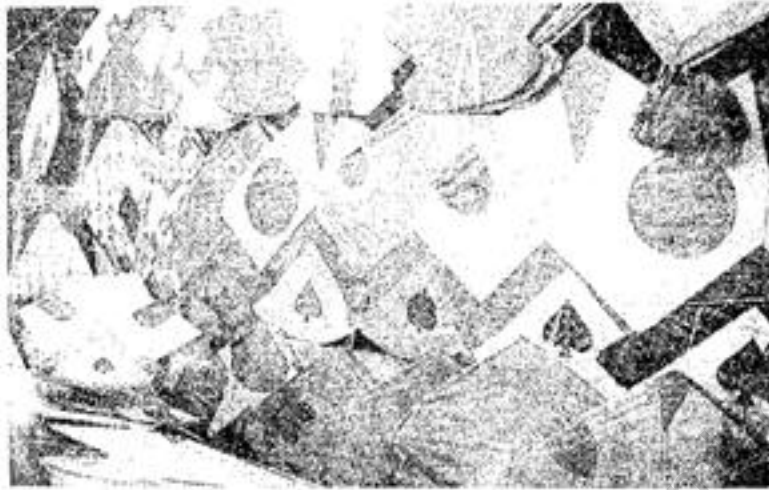
موت کا حکم سنا دیا گیا۔ مجرم کو پہلے ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی، اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کنٹاں رہی۔ حقیقت رائے کی یادگار کوٹ خواجہ سعید کھو جے شاہی لاہور میں ہے۔ اب یہ جگہ باوے دی مڑی کے نام سے مشہور ہے، جہاں ہندو رئیس کالورام نے بسنت میلے کا آغاز کیا۔ اگر کسی کو لاہور جانے کا اتفاق ہو تو ۶۰ نمبر وگین کا آخری اسٹاپ بھی یہی ہے۔ ”پنجاب آخری مغل دور حکومت میں“ صفحہ ۹۷ پر لکھا گیا ہے کہ پنجاب کا بسنت میلہ اسی حقیقت رائے گستاخ رسول کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ یہ مضمون پڑھنے کے بعد کوئی بھی باغیہ مسلمانی یہ تہوار منانے کی کوشش نہیں کرے گا کیونکہ ہم سب نے بھی مرنا ہے اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنا ہے۔ ہم مسلمان ہیں قیامت کے دن ہم سے اگر اس فعل کے بارے میں باز پرس کی جائے کہ اے لوگو! تم وہی ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کے مرتکب شخص کی یاد مناتے رہے تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اللہ ہم پر رحم کر دے ورنہ بہت مشکل ہے۔ آمین



فہرست حوالہ جات

۱۱۳	ہسنت اور چراغاں کے میلے	۹۵	شرم تم کو مگر نہیں آتی
۱۱۴	ساوہ حقیقت رائے	۹۶	بال ٹھا کرے کا بیان، مسلمانوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام
۱۱۵	رنجیت سنگھ اور ہسنت	۹۷	ہسنت تاریخی حوالوں کی روشنی میں
۱۱۶	ہسنت کا محل وقوع	۹۸	کتاب الہند (البیرونی) کا سرورق
۱۱۷	تحقیقات چشتی از نور احمد چشتی	۹۹	کتاب الہند //
۱۱۸	// //	۱۰۰	عید ہسنت
۱۱۹	میلہ چراغاں	۱۰۱	پنجاب: تہذیبی و معاشرتی جائزہ ڈاکٹر انجم رحمانی
۱۲۰-۲۱	سکھوں کی عملداری میں ہسنت کا میلہ	۱۰۲	اندرونی صفحہ
۱۲۲	ہسنت لاہور کا ثقافتی تہوار	۱۰۳	سوانح کا مقصد
۱۲۳	نذیر احمد چوہدری	۱۰۴	ہسنت میلہ اور پنجاب
۱۲۴	// //	۱۰۵	تاریخ لاہور (از کتبیا لال)
۱۲۵	ہسنت بطور تہوار کب منایا گیا	۱۰۶	// //
۱۲۶	مغل شہنشاہوں کے شب و روز	۱۰۷-۸	گھر کے بھیدی لگی گواہی
۱۲۷	// //	۱۰۹	فرہنگ صفیہ (مولوی سید احمد دہلوی)
۱۲۸	ہسنت میں ہسنت کی ابتدا	۱۱۰	ہسنت کی لغوی و معنوی تشریح
۱۲۹	ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت (منشی رام پرشاہ)	// //	ہسنت کا پس منظر
۱۳۰	فہرست	۱۱۱	تاریخ لاہور از سید محمد لطیف
۱۳۱-۳۲	ہسنت کا پس منظر ایک ہسنتی قلم سے	۱۱۲	// //

لاہور میں بسنت ہندو مذہب کی عظیم کامیابی ہے، بال شاکرے
 عدالت پاکستان کے درمیان فی فیہ آئی کیے پاکستانی قوم کے اقدار کا تعریف ہیں
 مسلمان عظیم ہندو سے قبل بھارتی ثقافت اپنائے تو انہوں نے ان کی جان بچائی یا مکتی تھی
 ان کے لیے لی آئی ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔ ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔ ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔
 ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔ ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔ ان کے ہندو عظیم شہوت ہے۔



لاہور میں بچوں کا ایک اسٹال۔ بچوں نے چنگ بازی کے اس کھیل پر گروڑوں روپے بھرتک دیئے کیا قرصوں
 میں چنگڑی تو کم کی تاہم ان کی ہمت ہے؟

۱۵۰	ہندو مصنف کی کتابوں کی فہرست	۱۳۳	ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پراثر
۱۵۱	کتاب ہندن جامیکہ دن (سندھی)		
۱۵۲	اندرونی صفحہ	۱۳۴	فہرست
۱۵۳	بسنت کا ثبوت	۳۵-۳۰	بسنت کی تفصیل
۱۵۴	" "	۳۰-۳۱	بسنت میلے میں سرسید کی شرکت
۱۵۵	پنجاب آخری مغل دور حکومت میں (انگریزی)	۱۴۲	ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت منشی رام پرشاد ماتھر
۱۵۶	" "	۱۳۳	" "
۱۵۷	انگریزی حوالے کا عکس	۱۳۴	" "
۱۵۸	اسن القنادی کا عکس	۱۳۵	بسنت پنچمی
۱۵۹	حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کا عکس	۱۳۶	" "
		۱۳۷	" "
۱۶۰	کتاب کھیل اور تفریح کے سرورق کا عکس	۱۳۸	" "
		۱۳۹	ہندو تیوہاروں کی تفصیل جدول میں

بکثرت ہمارے حوالوں کی روشنی میں



کتاب الہند

البیرونی

ترجمہ
سید صغریٰ علی

نظر ثانی
سید عطا حسین

ناشران قباقران کتب
عزیز سٹریٹ اردو بازار لاہور

کتاب الہند

البیرونی

ترجمہ
سید صغریٰ علی

نظر ثانی
سید عطا حسین



حجرت | اسی مہینے میں استوار رہی ہوتا ہی جس کا نام ہجرت ہجرت
 حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے اور برہمنوں
 کو کھاتے ہیں
 بیٹھ کے پہلے دن جو اجتماع یعنی اماموں کا دن ہر عید کرنے
 اور نیا غلہ تبرکات پانی میں ڈالنے ہیں ۔

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

پنجاب

تمدنی و معاشرتی جائزہ

ڈاکٹر انجم رحمانی

ناشران: تعمیر ان کتب
الفیصل اردو بازار لاہور

سوانح: یہ ہم مذہبی قسم کا کھیل ہوتا ہے جس میں نامور سورتوں کی زندگی کی جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ اس میں آدھا کام اداکاری کا ہوتا ہے اور آدھا گانے بجانے کا۔ رزمیہ گانے والے پیٹھے اور اداکار ہوتی بہت اور دوسرے جیسے شواروں پر سوانح کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر ایسے سوانح کا مقصد کسی ہیرو کے واقعات کو پیش کر کے لوگوں میں مذہبی جذبات کو ابھارتا ہوتا ہے۔ اکثر سوانح پر دن بھرت گویا پنڈ اور حقیقت رائے کے بارے میں ہوتے ہیں۔ پورن بھگت سیانگوت کے راجا سلواہن کا بیٹا تھا جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اس کی تفصیل ہم پنجاب میں قصبے کے عنوان کے تحت اس کتاب میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔

گویا پنڈ سوانح بھرتی مری کے بھائی کے بارے میں ہے جو مشہور راجا اور شاعر تھا اور عام طور پر اسے وکرات کا بھائی سمجھا جاتا ہے۔ گویا پنڈ کی مہربانیاں اسے تخت و تاج چھوڑ کر ایک سادہ سست کی زندگی اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک دنیا کی خوشیاں ناپائیدار ہیں۔

[حقیقت رائے بھی سیانگوت کے بارے میں لکھتا تھا۔ جسے بہت مہنگی کے دن صرف بارہ برس کی عمر میں مارا لایا گیا۔ اس کی ملاوٹی لاہور میں بنائی گئی تھی اور تقسیم ملک کے وقت وہاں ہر سال بہت مہنگی کے موقع پر بڑا زبردست میلہ لگتا تھا۔

ان تینوں سوانحوں کے ذریعے پنجاب کے لوگوں کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ پورن بھگت کی طرح حرص و ہوا کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ گویا پنڈ کی طرح دنیا کے ناپائیدار بیش و آرام کو نظر انداز کرنا چاہیے اور حقیقت رائے کی طرح قنوت اور نافرمانی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جہنم رہنا بہتر ہے۔]

یہ تینوں سوانح قیام پاکستان کے بعد مغربی پنجاب سے تیار ہو چکے ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے پنجاب میں عوامی میلوں سے موقعوں پر بعض اوقات غ دھنسی اور روپ بہت کے سوانح بھی پیش کئے جاتے تھے۔ میلوں میں سے لینے والی نالک منڈیوں میں یہ ایک اہم منڈی تھی۔ اس کا مقصد بھی عوام میں مذہبی روح پیدا کرنا تھا۔ یہ سوانح لوگ دھنسی پر جی گانے بجانے سے بھرپور ہوتے ہیں۔ پیش کئے جانے والے لوگ گیت "منہم مکالوں" اداکاری اور ناچ کا بہترین مظاہرہ ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو راوی کا دلچسپ انداز ایک مضبوط پونٹ بنا دیتا ہے۔

نوٹ: گویا سوانح ہی کی ایک کھلی ہے۔ نوٹوں کا نام پنجاب کی ایک خوبصورت راج کھاری کی روایتی داستان سے جڑا ہوا ہے جو چھوٹی گھڑی نام کے ایک توبوں کی محبت میں جتا تھی۔ اس کی زندگی کے بارے میں جب بار بار لوگوں کو دکھایا گیا تو وہ سب سے بعد مقبول ہو گیا۔ بعد ازاں

اور اپنے اپنے حوصلے کے مطابق لمبے سے لمبے جھوٹے بھرتے ہیں۔ خوش طبع لوگ پھوٹی پھوٹی نیلیوں میں بولیاں گاتے پھرتے ہیں اور الفوڑے اور بھلی کی دمنوں پر لوگ تاج بھی ہوتے ہیں۔ طاقت ور لوگ کشتی کے اکھاڑوں میں اپنا زور آزماتے ہیں۔ بچی بکڑنے کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ گویا پنجاب کا میلا رنگ اور خوشی کا ایک ایسا نظارہ ہے جس سے وہاں کی انسانی برادری کی خوش پوشی اور خوشی پاشی کا پوری طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

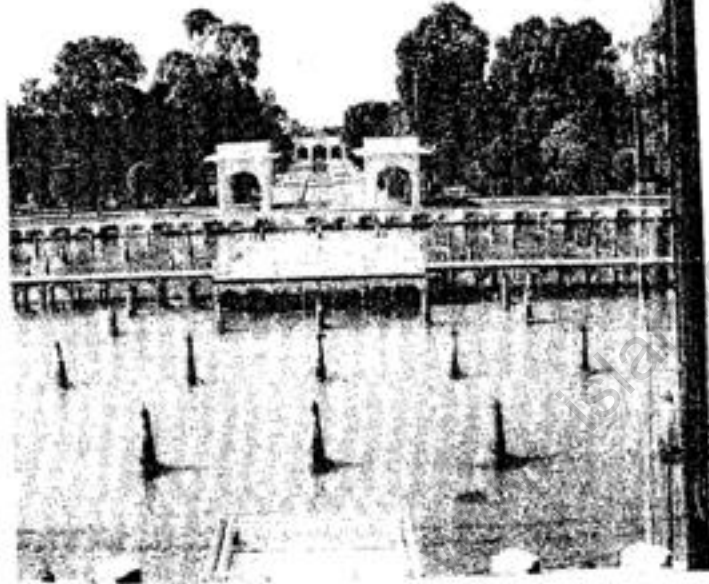
یہ میلے صوبے کی قدیم زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میلوں سے پنجاب کی زندگی کے کلی پتھروں کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ میلے موسمی، سماجی، تعلیمی اور جہوں وغیرہ کے شہسواروں سے جڑے ہوئے ہیں۔ موسمی میلوں میں بہشت، فنی، سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ ہمارے قدیم لاہور کا ہے۔ اس میں پورے دینی پنجاب میں سرگرمی کے گھٹ ایک عجیب و غریب اور دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔

بہشت کا میلا پنجاب کے بہت سے دیہات میں لگتا ہے۔ موسمی کی مناسبت کے لوگ ہمارے پنجاب میں عموماً "پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے بہشت کا اصل میلا لاہور میں ماحول لال حسین کے مزار پر لگتا تھا۔ ہندو یہ میلا ہاتھان پر وہ میں واقع حقیقت رائے کی سڑکی کے پاس سڑکتے تھے۔ حقیقت رائے نو عمری میں مقلوں کے زمانے میں مارا گیا تھا۔ سکھ یہ میلا گوردوارہ گوردیگھت صاحب میں منع ہو کر مناتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت کے زمانے میں یہ میلا شکار مار باغ میں منایا جاتا تھا۔ مہاراجہ قند لاہور سے شکار جہوں سے کر خود اس میں شرکت کرتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی لاہور میں بہشت کا شہسوار بڑی دھوم دھام سے 29 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ جبکہ سردی کا موسم رخصت ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اس شہسوار کو بہشت چالا اڑتے "کھا جاتا ہے۔ اس شہسوار کی آمد سے پہلے لاہور کے لوگ "بوسے زور و شور سے تیار کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر پنکھوں کی خصوصی دکانیں کھل جاتی ہیں اور کلی کلی پنکھوں کے اڑانے کے لئے دھیریں تیار کی جاتی ہیں۔ پنکھیں کئی اقسام "انکھال اور ساز کی تیار کی جاتی ہیں۔ ڈوروں کے بھی کئی معیار ہوتے ہیں۔ بہشت کی رات آتے ہی لاہور کے لوگ بالخصوص قدیم لاہور کے لوگ بچوں پر چڑھ جاتے ہیں جہاں لکڑیوں کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔ ایک پر نو جوان کالوں کے گیسٹ لگاتے اور ناچنے اچھلتے ہیں۔ رات بھر بولکا اور قیسے کی آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ لڑکے ہائے چھاتے اٹھاتے ہوئے پنکھوں کے چپے بھاگتے ہیں اور بعض اوقات بچوں سے گر کر موت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے موجودہ

تاریخ لاہور

کنہیا لال



تاریخ لاہور

کنیالال

سنگ میل پبلیکیشنز، چوک اردو بازار، لاہور

مکان سادہ حقیقت

حقیقت اسے نواب نرگرا خان بہادر صوبہ لاہور کی حقیقت ایک لڑکا ستور کا
کاتھا اور ایک عہد میں کتب خانہ کے کتب میں فاضل پڑھتا تھا ایک دفعہ
ایسا اتفاق ہوا کہ سنا کسی کام کو باہر گیا اور لڑکے کے کتب کے انیس میں
لڑنے لگے ایک سلطان لڑکے نے دیوی کے حق میں کوئی ناشائستہ کلمہ کہا
حقیقت اسے کو وہ باخدا ناگوار گزری اور اس نے سیم سیم صاحب کی لڑکی کی

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

فرسنگ آصفیہ

جلد اول و دوم

الف تا ز

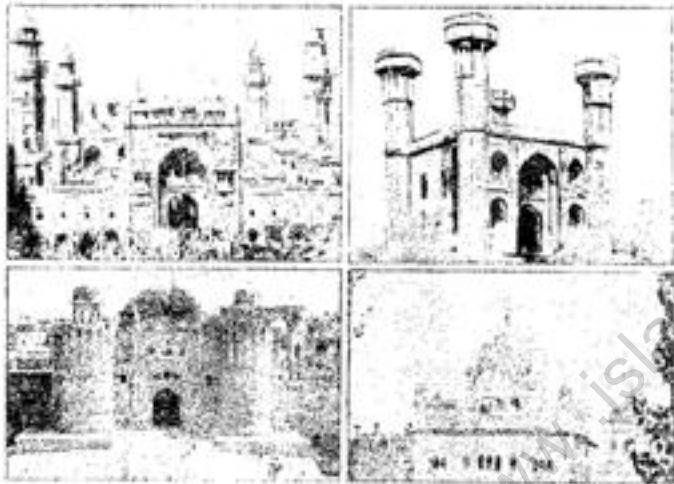
مولوی سید احمد دہلوی

الدوسائیں بول د

289 - 21 سال 1400ھ

نسبت کوئی ایسا لفظ کہہ دیا جو کمال بے ادبی پر ولالت کرتا تھا جب استاد
آیا تو مسلمان لوگوں نے استاد کے روبرو سب حال بیان کیا وہ سنتے ہی
غصہ کے مار سے لال ہو گیا اور حقیقت رائے کو بڑھ کر قاضی شہر کے روبرو لیکھا
قاضی نے جب یہ تقریر سنی حقیقت رائے کے حق میں قتل کا فتویٰ لکھا اور
منظوری کے لئے صوبہ لاہور کے پاس پہنچا تو اب زکریا خان بہادر نے
حقیقت رائے کو روبرو بلایا اور حکم دیا کہ تو نے کمال بے ادبی اہل بیت کے
حق میں کی جس کے اجاب افضل ہے مگر اگر تو مسلمان ہو جائے تو تیری جان
بچ سکتی ہے ورنہ گردن مارا جائیگا حقیقت رائے نے مسلمان ہونے سے انکار کیا
اور جان شیریں اپنے ملت و مذہب پر قربان کر دی یعنی گردن مارا گیا نقش
اسکی اس مقام پر چلائی گئی جہاں اب سادہ بنی ہوئی ہے۔ یہ سادہ بجانب
شرق موضح کوٹ خوجہ سعید کے لاہور سے بغا صلاہ دو میل شرق کی سمت
کو واقع ہے مکان نہایت بزرگ و متبرک ہے شہر کے ہنود بخلوص دل یہاں
اگر چین سالی گتے میں بسنت کے روز بڑا بہاری میلہ اس جگہ ہوتا ہے۔
چڑھاوے کی آہنی بھی بخوبی ہوتی ہے مکان سادہ پختہ چونکہ بنا ہوا ہے
پہلے ایک مربع پختہ چوتھر ہے جس پر مکان سادہ ہے سادہ کے مکان کی
دیواریں پختہ ہیں اور دروازہ بجانب شرق ہے مکان کے وسط میں ایک
پختہ چوتھر ہے اس پر سادہ پختہ بنی ہے جس پر خلاف پڑا رہتا ہے سقف اس مکان
کی قابوئی اور اوپر گنبد گول پہاڑی دار بنا ہوا ہے باہر اس کے اسی چوتھرے پر
ایک اور چوٹا گنبد بنا ہوا ہے اس میں شہب جی کا ستھاپن ہے اس کے جنوب کی طرف
ایک پانچویں دار بنا ہے سادہ کے چوتھرے کے محاذ میں ایک اور چوتھرہ
ہے اس پر مکان رہائش پجاریاں سادہ ہے یہ دیکھو دار مکان نہایت عمدہ

تاریخ لاہور
سید محمد لطیف



دورِ دواۓ موجود ہے۔ چوتھے دور چار دیواری کے درمیان زائرین کے لیے خالی جگہ چھوڑی گئی ہے۔ اس چوتھے دور کے چاروں طرف سنگ سرخ کی جالیاں لگائی گئی ہیں۔ اس چار دیواری کے شمال میں ایک بیٹار میں قدم رسولی کا عکس انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اس کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے (50)۔ "حقیقت المقراء" کے مصنف پیر محمد کے مطابق لال حسین اکبر کے دور میں یہاں آباد ہوئے۔ وہ دریائے راوی کے پار موضع شاہدرہ کے ایک برہمن لڑکے مادھو پر فریفتہ ہو گئے۔ جن کی اس لڑکے کے ساتھ بے انتہا محبت کی وجہ سے اس روز سے اس کا نام اس صوفی بزرگ کے نام کے ساتھ خشک ہو گیا۔ مادھو مسلمان ہو گیا اور اس کا مزار بھی اپنے مذہبی پیشوا کے مزار کے ساتھ واقع ہے (51)۔ حضرت لال حسین کی کرامات کے بارے میں بہت سی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی راتیں دریائے راوی میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کے زبانی دور کر کے گزارا کرتے تھے۔ آپ 1008 ہجری بمطابق 1599ء میں فوت ہوئے اور شاہدرہ میں دفن کئے گئے۔ چند سال بعد ان کی پیش گوئی کے مطابق ان کی قبر کو دریائے راوی کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ مادھو نے آپ کے جسد مبارک کو نکالا اور انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ موجودہ مقام پر دفن کیا۔

دارالعلوم حضرت لال حسین کے بارے میں لکھی گئی اپنی مشہور زمانہ تصنیف "شہادتِ وار" میں بیان کرتا ہے کہ شہزادہ سلیم اور اکبر کے حرم کی بیگمات ان کے روحانی کمالات پر یقین رکھتے تھے اور ان کی انتہائی عقیدت و احترام کرتے تھے۔ شہزادہ سلیم نے خصوصی طور پر اپنے دربار کے ایک افسر بہار خان کو اس صوفی بزرگ کی روداد و کرامات کی کتابوں کو قلمبند کرنے کے لیے مامور کیا اور یہ تصنیف جسے "ہمارے" کہا جاتا ہے، حضرت لال حسین کے بارے میں دلچسپ معلومات سے مزین ہے۔

بہشت اور پھر اٹھائے گئے۔ یہ لاہور کے دو عظیم کیلے جنہیں بہشت اور پھر اٹھائے گیا جاتا ہے اس
خزانہ پر مشفق ہوتے ہیں۔ لاکھوں کو ان کی نگہ باندہ ہے کہ کسی جنگ بہادر اور بہت سنگم کے دور میں
بہشت (جس کا مطلب ہمارا سپہ سالار کسی قدر توجہ اور خوشنویسی سے ملتی جاتی تھی) جب عیش پسند
مبارک ہے اس کے سرور اور غریب دوستوں کے علاوہ میر کوئی زبردست طالب میں ملے ہوئے ہوتا تھا۔ مبارک
اس مقام پر حاضر کی وقت 1910ء۔ روپیہ رقم اور دو زود خاںوں کا جو زمانہ، اس کے طور پر
بیش کر رہا تھا۔

سید خواجہ قمریہاں :- اس علاقہ کے غریب عوام نے محمد علی شاہ کے دور حکومت میں انوار شاہ

تاریخ لاہور

سید محمد لطیف



مقبوضہ پر جاری ہے۔

سماجد بھائی و سنی رام :- یہ سماجد قلعہ کی شمالی دیوار کے قریب واقع ہے۔ بھائی و سنی رام، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا رومانی پیٹوا تھا۔ یہ سماجد قلعہ کا ایک انتہائی خوبصورت و یادگار نمونہ ہے۔ اس سے طرز ہمارا دیوان اور کرسے بالکل صحیح اور عمدہ حالت میں ہیں۔

سماجد حقیقت رائے :- یہ لاہور سے دو میل کے فاصلے پر مشرقی جانب موضع کوٹ خواجہ سمیع کے مشرق میں واقع ہے۔ حقیقت رائے سترہ سال کی عمر کا ایک ہندو لڑکا تھا۔ وہ حاکم لاہور نواب خان بہادر کے دور میں ایک مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اس کا مسلمان لڑکوں سے چھٹکارا ہو گیا اور اس نے ان لڑکوں کی طرف سے دیوٹاؤں کے لیے ناپائیدار زبان استعمال کرنے کے رد عمل کے طور پر جو اپنا ہی قسم کے کلمات کہہ ڈالے۔ اس کو جاسوسی کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے ہتھیار کے خلاف ناپائیدار زبان استعمال کرنے پر اس کو سزائے موت سنائی۔ یہ معاملہ حاکم لاہور کے سامنے پیش ہوا تاہم اس نے جاسوسی کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر یہ لڑکا اسلام قبول کرے تو اس کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔ حقیقت رائے لپٹے آہا ابداد کے مذہب پر غلوں دل سے کاربند تھا۔ اس نے دین اسلام کی دعوت کو رد کر دیا اور پھر جاسوسی چلا گیا۔ ہندو اس کے مقبرے کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں اور سیرت قداد میں جا کر اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اس سماجد پر اہستہ بہ استہلاک مسلمان ملے مستعد ہوتا ہے۔

سماجد مہاراجہ شیر سنگھ :- یہ سماجد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تعمیر کردہ بارہ درمی شاہ جہاں (114)، کے مغرب میں واقع ہے۔ اس سے کسی قسم کی تعمیراتی تصنیع یا باتوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ پختہ اینٹوں کی ایک سادہ سی سماجد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھیانوادیہ سرداروں کے ہاتھوں شیر سنگھ کے قتل کے بعد اس وقت پانچواں دور پر کوئی حکومت موجود نہیں تھی اور جو لوگ مہم مہاراجہ کے مشہور و معروف بیٹے کے شاہیاں شاہنشاہ اس کی یادگار تعمیر کرنے میں دلچسپی لیتے تھے، ان کو لپٹے اور گرد پھیلی سازشوں سے فرست نہیں مل رہی تھی۔ لہذا وہ عمارت کی تعمیر کے بارے میں سوچ نہیں سکتے تھے۔ یہ جگہ اس لیے بھی تاریخی لحاظ سے دلچسپی کی حامل ہے کہ یہ جگہ الہیہ کا مقام ہونے کے باعث کچھ لوگوں کی وجہ سے ایشیائی تاریخ کے ادراک میں سب سے بہت سے جگہ تھی ہے اور اس کے بعد آنے والی خورجیوں، سازشوں اور ہنگامہ آرائیوں نے پنجاب میں رنجیت سنگھ کی سادہ جگہ کے تحت قائم کردہ طاقتور حکومت کو اپنی تیزی سے ختم کیا کہ اس کی مثالیں نہیں ملتی۔ شیر سنگھ کی سماجد کے گنبد کی قرنی جانب اس کی دیوی رندھاوی کی سماجد ہے۔ اس سماجد کے دروازے پر

6 فروری کو ہست کا تہوار بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ اس کا مطلب عام طور پر موسم بہار ہوتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے اس موقع پر ہمیں مدعو کیا۔ ہم اس کے ہمراہ باغیوں پر سوار ہو کر خوشیوں کا مظاہرہ دیکھنے گئے جو دیگر علاقوں کی طرح موسم بہار کی آمد پر منائی جاتی ہیں۔ پنجاب کے قومی دستے قطاروں کی صورت میں گزرتے تھے اور انہوں نے دو میل طویل ایک گلی کی شکل بنائی تھی اور اس کے آخری سرے تک جانے کے لیے نہیں منت درکار ہوتے تھے۔ فوج، پانچواں قومی دستوں، سواروں، پیدل فوج اور توپ خانے پر مشتمل تھی۔ پوری فوج نے پیٹل رنگ کا لباس یکساں طور پر پہنا ہوا تھا۔ یہ اس تہوار کا مخصوص لباس تھا۔ مہاراجہ قطار کے قریب سے گزرا اور اپنی فوجوں کی سلامتی کی۔ ہمارا دستہ مکمل طور پر اندسوار مسلح زمین پر واقع پرانے لاہور کے کھڑوات میں سے ہو کر جانا تھا۔ لہذا اس وجہ سے قطار میں بہری سی شکل پیدا ہو گئی تھی اور اس چیز نے منظر کی خوبصورتی میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس طاقتور قطار کے آخر پر زور دیا گیا کہ عین شاہی شیعہ نصب تھے۔ ان کے درمیان ایک لاکھ روپے مالیت کا چھپر کٹ تھا۔ اس کو بچے موتیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور قیمتی خمروں کا غائبہ لگا دیا تھا۔ اس سے بڑی کوئی چیز تصور میں نہیں آسکتی تھی۔ اس کے ایک کونے میں رنجیت سنگھ بیٹھ گیا اور گرتھ بیٹھنے لگا۔ یہ تقریباً دس منٹ تک چلی گئی۔ اس نے بہت کچھ خوراک پیش کیا اور مقدس کتاب کو دس مختلف رنگوں کے علاقوں میں بیٹھ کر رکھ دیا گیا۔ بالائی علاقہ تہوار کی مناسبت سے پیٹل رنگ کی قفل کا تھا۔ پادشاہ کے سامنے محل اور پھول رکھے گئے اور زور دیا گیا کہ پادشاہ کی والی ہر عمارت اور درخت کو اس کی خوبصورتی سے محروم کر دیا گیا۔ مجھے اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی کہ اس قدر سادہ رنگ کیوں منتخب کیا گیا ہے لیکن شاید یہ ایک حکمران کی حیرت انگیز تھی۔ اس کے بعد زور دیا گیا کہ اس کی فوج کے کماندار اور امرت ہل و زور کی صورت میں خوراک پیش کرنے کے لیے آئے۔ کابل کے معزول بادشاہوں، شاہ زمان اور شاہ ایوب کے دو بیٹے داخل ہوئے اور کچھ دیر تک گفت و شنید کی۔ اس کے بعد شاہنشاہ کا نواب بھی زور دیا کہ اس میں شیوس لپٹے پانچ بیٹوں کے ہمراہ خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آیا۔ اس کا طاقتور استقبال کیا گیا۔ یہ دی شخص تھا جو کابل کی بہم میں خوفزدہ ہو گیا تھا اور اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کا وفادار نظام ہے۔ اس کا نام سرفراز شاہ ہے۔ ہما دیو اور سنگھ کے نمائندے اپنی باری پر حاضر ہوئے۔ رقص کرتی ہوئی لڑکیوں نے اس تہوار کے



تالیف: نور احمد ششی



سے پانی کا دلکش بہاؤ، درختوں کا شاداب اور گہرا سبز نظارہ اور بانگ کا حسن اور اس میں شامل لوگوں کے رنگ برنگے زرق برق لباس، دوستوں کی فنی اور جاتی نو لیاں، سب سے پہلے سناٹوں کے گنچے کچھ کھاتے، کچھ پیتے اور کچھ موسیقی سنتے یا مختلف کرسٹ دیکھتے ہوئے لوگ مزید اضافہ کرتے ہیں اور شاہجہاں کا یہ شاداب بانگ، ہر یوں کا نہیں معلوم ہوتا ہے اور اس میں اتنی دلکشی اور خوبصورتی پایا ہو جاتی ہے جو صرف دیکھی جا سکتی ہے، اسے بیان کرنا محال ہے۔ لاہور کے مشافاتی انسان، امرنسر، گوہر انوار، فیروز پور اور عثمان سے لوگوں کی بڑی تعداد اس میلے میں شریک ہوئی ہے اور گھوڑوں کی نمائش کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس میں بہترین نسل کی گھوڑی اور پتھریلے پر حکومت کی جانب سے انعامات دیے جاتے ہیں۔ ختمیہ لگایا ہے کہ میلے میں تقریباً 50,000 لوگ شریک ہوئے ہیں۔

بہشت پر اسات کا میلہ بنواری میں شالامار بانگ کے نزدیک حضرت ماحولال حسین کے مقبرہ کے احاطہ میں منعقد ہوتا ہے۔ اس میں شہر اور مشافاتی دیہات کے تقریباً دس ہزار افراد شریک ہوتے ہیں۔ مسلمان حضرت ماحولال حسین کی عاتقاہ پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ہندو اس کے نزدیک حقیقت رائے کی سادہ کی پوجا کرنے کے لیے آتے ہیں لیکن یہ میلہ بذات خود دونوں مذاہبوں کے لوگوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ اس میلے کو مبارکچہ رحمت سنگھ کے دور میں بڑے ترک و انتظام سے منایا جاتا تھا۔ اب جہاں آتے ہوئے کبھی لوگ زرد لباس میں ملبوس ہوتے تھے اور مبارکچہ اور اس کے درباری بھی خود بھی لباس نکھتے ہوئے تھے۔ شہر سے شالامار بانگ تک کی سڑک کے دونوں جانب کھیتوں میں سرسوں کاشت کی جوتی تھی اور اس کے زرد پھول میلوں تک ہراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب اس منظر میں سرداروں اور فوج کے دوسرے سپاہیوں کے لباس کا زرد رنگ بھی شامل ہو جاتا تھا تو یہ کچھ لینا چاہیے کہ لاہور سے شالامار بانگ تک کا پورا منظر منہایت خوبصورت اور دلکش ہوتا تھا (10)۔

عید کے آوارہ: غیر المظہر کا قبور جو رشتہاں المہارک کے بعد آتا ہے اور راج کے بعد عید الاضحیٰ کا تہوار، دونوں میں خاندان مسلمان گنچے ہوتے ہیں اور یہ میلے موسیقی و دروازے کے پیچھے حضرت شاد ابو اعلیٰ کے مزار پر منعقد ہوتے ہیں۔

قدیموں کا میلہ: "قدیموں کا میلہ" کے نام سے مشہور میلہ فروری میں ہوتے چاند کے بعد چھپے ہی کو اتر کھلی میں واقع حضرت نئی سروڑے مزار پر منعقد ہوتا ہے۔ ذہول ہاتھ والے لوگوں کا گردہ جنہیں شج کہا جاتا ہے، بہت زور شور سے ذہول بھاتے اور رقص کرتے ہیں۔ جن موسیقی بزرگ کی ہار میرا یہ میلہ منعقد ہوتا ہے ان کے ہار سے میں کہا جاتا ہے کہ آپ چوتھے بلوں کے سر پرست تھے

تاریخ لاہور کا انسائیکلو پیڈیا

تحقیقاتِ حشری

تالیف
نور احمد حشری

ناشرانِ تاجرانِ کتب
الفیصل
آذربائیل لاہور

(ص ۵۸) ظہرین ہاتھیں ہر خاص جو کا اور حال اراوت حشر اور مسلمانوں کا اس کتاب میں اس قدر ہے کہ کوئی دم نہیں مار سکتا اور حضرت کی خانقاہ پر فی زمانہ دو میلے ہوتے ہیں۔ ایک تو چاروں کا میلہ دوسرا ہفت کا۔

میلہ چار اغان

چار اغان کے میلے کا تو یہ حال ہے کہ کئی میلوں سے ہزارہا کھوات ہائیل تمام ہائیل زیارت ہو کر آتے ہیں اور باوجود اس قدر وسعت باغ شلا مار کے وہاں قدم رکھنے کی جگہ اس روز نہیں رہتی۔ یہاں اللہ! اس روز وہاں عجب عطف ہوتا ہے کہ ہوتے ہوئے کے بچے باج و راگ و رنگ ہوتا ہے اور ایک دن اور ایک رات زائرین و حاضرین کی شرکت کا یہ حال ہوتا ہے اور باغ اور مقام خانقاہ پر اور وہاں سے آدروازہ لاہور اس قدر اہم مقام حقوق کا ہوتا ہے کہ شہر کے یوں ہاتھ دیوہ۔

اور اس ایام میں بھی پورے ملک میں بے کاری سے جاناں ہے "امر قمر سے ہمواری دہل سارے ستر ہزار آدمی قزاق شریک جہ۔ چار اغان ہوتا ہے۔ اور ہمارا ایک و پیدل و کچھی و لوفت و غیرہ دہل سے ملیدہ آتے جاتے ہیں۔ اور غریب و فروخت اشیائے مطلوبائیں کا دنیا خیال کیا جاتا ہے۔

اس روز تمام حکام شلع و افسران پڑھیں وہاں ہندوستان کے دانے روٹی افزہ رہتے ہیں اور اس روز ایک دکان آٹھاری کی بھی وہاں قائم ہوتی ہے ذیل کرنا چاہئے کہ شریک ایسے میلوں پر اوجھ میل کم کرتے ہیں "اور ہو کرتے ہیں سو مٹھون خراج اور عاصی من اللہ ہوتے ہیں۔ تہہ بھی اس روز دن رات میں ہزار ہا روپہ کی شراب فروخت ہو جاتی ہے۔ اس روز ہمیں تک کہ نگر کلام کر سکتی ہے۔ بلوہات فخرہ ہر شخص کے تہہ تن ہوتے ہیں حتیٰ کہ ہر شخص رات کے کھانے کا بھی محتاج ہوتا ہے وہ بھی اس روز خواب و شہن تر آتا ہے۔ قلم کا کیا یاد کہ اس میلے کا حال مفصل لکھنے کے لیے میں جانتا ہوں کہ اسے قصور سے یہ نظم روپیاد اور ہندو سرور متوجہ ایمان سے اور اس روز ہفت کا حال بھی قلم علی ہذا۔

چنانچہ تاریخ سال ہندوئی بروز سہ شنبہ (ص ۵۹) حضرت کا عرس مبارک بتوہید ہفت تھا اور یہ مشن بھی ہستائے ہوسی کے دانے شریک ہوا تھا۔ کیا جان کرہوں کہ اس قدر انہوہ یکہ و کچھی و کھوڑا کا تھا۔ دہلی دروازہ سے آ شلا مار برابر خلق اللہ آگئی

اور قلی بیچیکا زمین پر نہ کرتا تھا۔

آج بندہ کو بھی یہاں سے ایک عزت خدا داد بدیہ حاصل ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آج پندرہ سال سے مجھ کو دیوہ جڑ و پچ میر کو ہر روز اس مبارک حضرت جبر علی گنج بخش جیوری رحمت اللہ علیہ ان کی جناب سے دستار کو حیران کیا جس کو سونپا گئے ہیں مگر اس جناب استغلاب سے بھی قدوسی کو معرفت حسن کی شکوہ جادہ نشین دستار بخشی اس وضع سے عطا ہوئی کہ حضرت عیادہ نشین حضرت کی خانقاہ کی پانچویں طرف تشریف فرما ہوئے اور براہ نوازش اول دیا فرمائی۔ امید ہے کہ اس تعویذ قبول فرمائیں گے اور یقین کلی ہے کہ اس سال میں اگر بہت یاد ہوئے تو ضرور فرزند ارشد و مراد آرزو کو عطا ہوگا۔

الغرض بعد دیا مبارک نشین صاحب نے نذر پیش کر دیا فقیر قبول فرمائی اور کھانا حاصل اللہ میں دستار بخشی گئے پستانی اور میں نے نذر دو جہاں کچھ کر اپنے سر پہ باندھا۔ عطا ہو کر اس سے ایک اور لطف ہوا کہ اس وقت بعد دیا مبارک نشین صاحب نے حضرت کے خزانہ سے مجھے تحریک اس طرح سے عنایت کیا کہ میں نے اس میں اپنا پیلا دیا اور انھوں نے پھول اور گولیاں وغیرہ ملا کر میرے دامن میں ڈالا۔ جب گھر میں آکر دیکھا تو سوائے ریویزی و نکل وغیرہ کے کچھ نہ تھا کہ کوئی اور پتہ آتا تھا تین چھپے ڈبل اس میں سے نکلے۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اس کے عوض میں ایک پوائی خریدوں اور گھر میں تحریک رکھوں۔ پھر جب مجھے اللہ تعالیٰ فرزند عنایت کریں تو وہ پوائی اس کے ذریعہ گھر کرے۔

سبحان اللہ! اے خالق میرے کہ مجھے اس قدر شرف اور عزت مع دستار حاصل ہوا۔

اس کے شکر میں اس دامن و زبان سے شکر یہ ادا کروں:

اگر حرمی من کرد و پوائی زبان را ہم بگریہ و استغاثی

پایزہ کو حرمی پوائی سر سومی را احسان تو عطا ہے

مجھے حسب امارت خود آج وہ خوشی ہے کہ خدا می جانتا ہے۔ الحمد للہ علی احسان۔

سکھوں کی مندراوی میں بسنت کا میلہ

آج ہم یہ مطلب کہ ہر روز بسنت بعد مندراوی سکھوں مبارک صاحب بہادر کا یہ معمول تھا کہ تمام امیر و رئیس و افسانہ کچھ حو بانا تھا کہ وردی و لباس بخشی پٹنہ اور زمین و حرم و بسنت اعلیٰ وغیرہ تمام بخشی ہوا کرتے اور ہر شخص اپنی فاقہ ادا تھا تیرہ لاکھ روپے سے لے کر تیس لاکھ تھا۔ اور یہاں سے ہر روز ہزار ہزار ہر شخص اپنے اپنے ہتھیار و اسلحہ (۱۰۰) لاکھ لگتے تھے۔ اور ہر ہندو سے تا ہر پارہاں افسانہ و دست فوج و لباس بخشی مجلس جم

جاتی تھی۔ اور ہر اس کے حرمی و رئیس خود مع ملازمین بخشی پوش عطا کرتے تھے اور رہائشے شہر و حرم میں سے ایسا کوئی کہنت ہوتا کہ ہر ایک بخشی اس روز نہ پہتا ہو گا۔

رنگیزان شہر اس روز میں ہر کسی کو روپوں کا بیٹے تھے یعنی چاری ایک رنگ میں ایک دھڑی کی مددی خرچ کر کے کم از کم چار آنہ فی دستار خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اور ایسوں کا حال تو نکلا ہوتا ہے مجھے توپلی یاد ہے کہ بعد مبارک شیر سنگھ ہر روز بسنت ۱۸۴۲ بھرت راجہ مہتا باقر صاحب کے گیا ہوا تھا اس ایام میں رنگیزان کی دستار رنگ کر لایا تو انھوں نے اس کو پانچ روپیہ بانگ شامی عنایت کے پھر بھی وہ خوش نہ ہوا بلکہ کہنے لگا کہ مبارک پانچ روپیہ تو بعد ار اور سو بیہار فوج کے بھی کم کو دے گئے ہیں میں تو زیادہ کا امیدوار تھا۔ یہ سن راجہ صاحب حشم ہوئے اور ایک ہندو جیتی بچاس روپے کا اس کو عطا فرمایا۔

جب اس طرح فوج ہم جاتی تو بوقت دو بجے سواری مبارک کی قلعہ سے نکلتی اور تمام حکومت کو خطر دیا اور سرکار ہوئے تھے جب آواز توپوں و شک ستائی سننے تو مشائش پیش ہو کر ہندو دن ہوئے۔ جب مبارک کی سواری پٹیل میں آئی تو یہ لطف ہوا تھا کہ اب اس کی یاد میں جنم آپ عا آئی تھی۔ کم از کم ساٹھ ستر حاجی اور چار پانچ سو گھوڑا بازیں حاملے مرمع و تمام دایرہ سواران چار چار کی تودہ و رشت پیل اول جہاں میں سوار کرتی تھیں اور شلو سے گدا تک ہر ایک شخص بخشی پوش ہوا کرتا تھا بلکہ دو دو ہزار بھی بخشی نظر پڑتے تھے۔ اور مبارک مٹھیاں روپوں کی بحر بحر کر تصدیق کرتے اور بھینکتے ہوئے تا حصار پہ الوار حضرت ہمیں کے چلیتے اور بعد سواری سے اتر پاپاوا حرم پارادوت تمام مع روٹاسے مالی مقام پیر برمنہ خانقاہ کے دروازے سے اندر ہاتے تھے۔ پھر شک ستائی کی حویلی تھی۔ پھر گیارہ سو روپیہ نقد مع دو شالہ بخشی خانقاہ پر نذر چڑھا کر انہیں سال کے بعد مدتی اقباسے بند شامی ہوئے تھے۔ وہاں عرش سے فرش تک تمام بخشی بخشی اشیاء موجود و حاضر حویلی تھیں۔ پھر حسب معمول خود بخشی ایک ہر روز دس ہزار و سر ہر روز سست تمام ملازمین سے تھریں علی قدر مراتب لے کر پانچت جائے قاعہ ہر ایک کو سر فرازی دیتے تھے اور پچ مہر و نکال ہزار شہنشاہ بخشی پوش عطا کرتا تھا۔ پھر لاکھ روپوں و روپوں بخشی تمام ملازمین و افسانہ و حشم اہم اس روز وہاں حاضر ہوا کرتی تھیں بھگوانے شاعرانہ لڑا کر کے بہت ہمت و شہرت قریب قریب مہج سرکار باقی میں مشغول ہو کر باطلات

بسنت

لاہور کا ثقافتی تہوار

نذیر احمد چوہدری

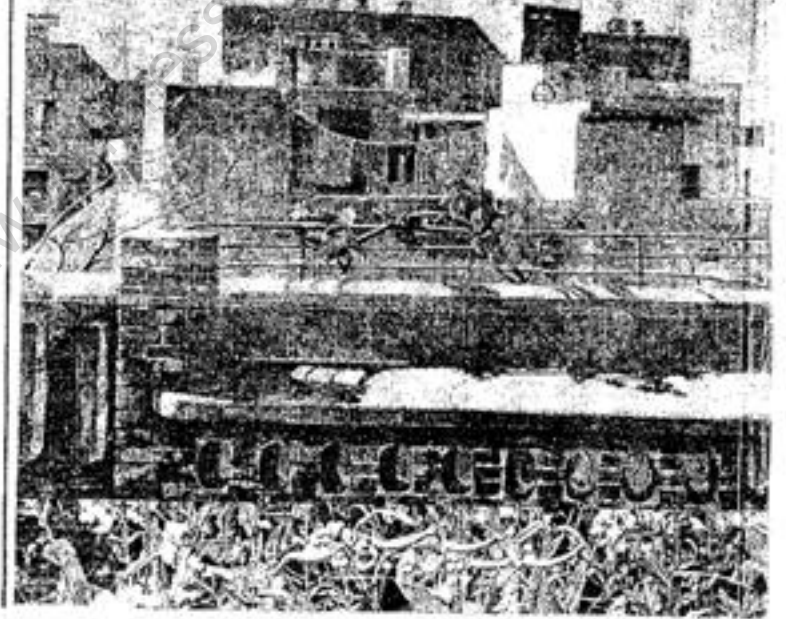
سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

www.islamicbookslibrary.w

بسنت

نذیر احمد چوہدری

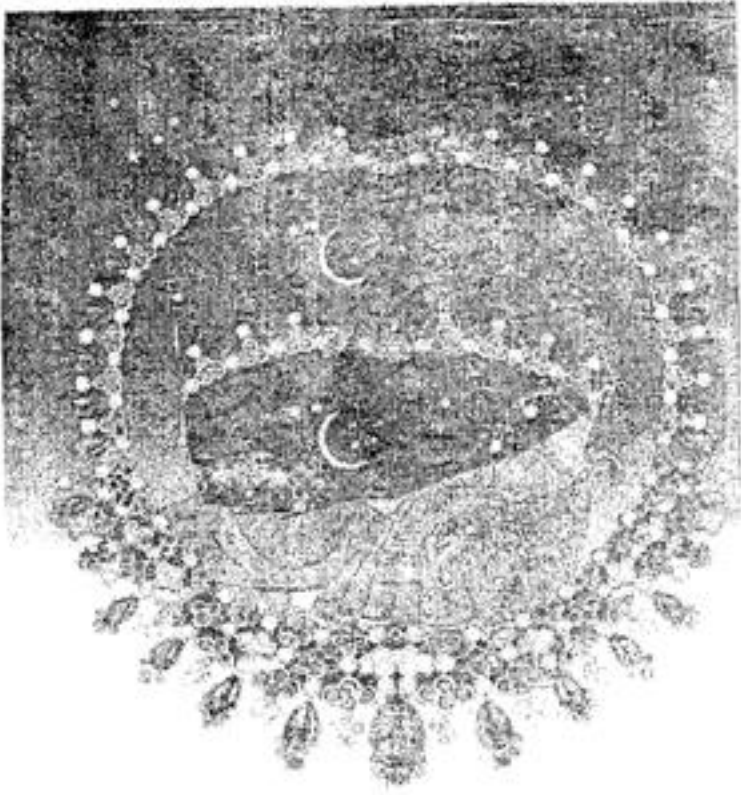
لاہور کا ثقافتی تہوار



انہیں کوئی اور اور آسودگی فراہم کرنے کے لئے بھی کی بناوٹیں ہوتے تھے۔ بعض مغل شہنشاہوں اور شہزادوں نے چنگ ہزاری کے شوق کو قبول کیا مہم ہانے کے لئے یہ اعتراض منع کی کہ خالص سونے کے پتلے اور پتھروں کے ساتھ باہر دے دیے جاتے تھے۔ سترقی پتھروں کی خاطر موسم میں چنگ کوٹنے کا رواج عام ہوا۔ ان کے لئے نہ صرف مہنگی قلعہ سودا ہوا بلکہ ان کے لئے وہ غیر شعوری طور پر چنگ ہزاری کی جانب راغب ہوئے گئے۔ اس طرح چنگ ہزاری کا متعلق غیر شعوری طور پر ایک قلعہ قور تھیں۔ کادوبہ دھار کھانسی کا آج کل کی چنگ ہزاری سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس سبب سے ۳۰۰ سال اس کو نہ صرف شائستگی نے اسے نصیب ہوئی بلکہ بادشاہوں اور شہزادوں کو بھی رعایا پروری کی نایاب فرصت فراہم حاصل ہوئی۔

نامور میں اس وقت کہ نامور تھوڑے کا تھوڑے ۳۰۰ سال میں ہوا ایک روایت ہے کہ سلطان ایک ہندو لڑکے حقیقت دانہ امریکی کی ۱۶۰۰ میں ہندوؤں نے پہلے رنگ کے کپڑے میں کر عاضری دی۔ حقیقت دانہ ہندی تو ان کا تعلق سے لکھتے تھے وہ اس وقت کے وہاں کے سلطان مسلمانوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا تھا۔ ایک میں کسی ہندو پر اس کا جھگڑا کسی سلطان صاحب علم سے ہو گیا جس کے بعد حقیقت دانہ نے حضور کی اکرم جگہ کی شان میں گستاخی کی۔ چنانچہ یہ ہندو نامور کے ایک قاضی کی حالت میں ہوا۔ دوران مقدمہ ہندوؤں نے یہ موقف پیش کیا کہ مسلمان صاحب علم نے پہلے کے نامور کو لکھا تھا کہ وہ قاضی کو لڑائی سے قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قاضی نے حقیقت دانہ کو سزا دے موت بنا دی۔ چنانچہ ۱۶۰۰ میں اسے لاہور میں پھانسی دے دی گئی۔ جس جگہ اسے پھانسی دی گئی وہ محو ہے شاہ (امپریٹر) کے علاقہ میں تھیں ہندوؤں کے نزدیک حقیقت دانہ نے ہندو، عجم اور لوہاروں کے لئے ترقی دی تھی اس لئے انہوں نے اس دن گستاخ رسول کی پرمٹانے کے لئے ایک گھیر ل چنگ ہزاری کی اور اس کا نام سبھد رکھا۔ جس میں اس قسم پر ایک دستور خیر کیا گیا جس کی سزا موت کے دن ہندو اور زور رنگ کی پٹریاں تھیں۔ عورتیں زور رنگ کی سڑیاں پہن کر عاضری دیتیں اور ختمیں مانتی تھیں۔

چنگ ہزاری کا عمل اب صرف اس وقت کے دن پر ہی موقوف نہیں رہا اب یہ کئی دنوں تک اتنی تک پہنچی رہتا ہے۔ چنگ کے شائقین نے اب اسے اس اعتبار سے تقسیم کر لیا ہے کہ اگر ایک لکھنے کا نامور میں چنگ ہزاری ہو گی تو دوسرے دن حضور میں اور تیسرے دن کو ہر انوکھا لکھتے ہیں اس وقت کا نامور مہیا جاتے گا۔ اس طرح اب



شمس الدین شہنشاہوں
کے شہنشاہوں و روز

سیاح الدین عبدالرحمن

مغل شہنشاہوں کے شہروز

مصنف
سید صباح الدین عبدالرحمن

نگارشات ○ میاں چیمبرز 30- ٹیپل روڈ ○ لاہور

فون : 042-6305241-6362412 ٹیکس : 042-6312968
E-mail: nigarshat@yahoo.com

بارشادہ میں ہے۔

"روزِ دو شنبہ شوال کے روزِ حیرانہ حیر و جوشِ نکالی اللہ تعالیٰ بارشادہ زار
ہائے کامکار و یحییٰ اللہ صراحتی ہائے مرصع و دیگر نویشان اندام صراحتی ہائے عین کار و
زیریں ستمیں و پُر از گلاب عرقِ قند و عرقِ ہمار از نظرِ قدری مکرر انید۔"

(نیا ص 20)

یہ عید نکالی اور نگریب بھی مناجاتِ شکر اور اعترافِ مرصع اور عین کار صراحتی میں نگریب
بمکرر اس پر مکرر کرتے تھے۔ (تاجیگر ص 623)

شہزادہ جشن کے فرائد ان جشنوں میں جن عظمت کا مظاہرہ ہوا۔ وہ اس کی نظر سے
صراحتی مرصع اور نو و لعب ہے اور یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا اس قسم کے سرگاہ اور عین شاد
عظمت سے عظمت کی بنیاد کو کلی نہیں ہو گئی یا اس پر بحث کرنے کے لیے موقع نہیں ملتا اس سے انکار
نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے ایک شاد اور تہذیب و تمدن کا ضرور اثر ہوا ہو گا۔ مگر اس طبقہ کے اس دور
و زمانہ کے زور سے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا تھا لیکن اس زینت و آرائش میں جو حسن و عین
نگاہ ہوا اور اس ملک کی تہذیب اور تمدنی کا ضرور عنصر بن گیا اور آج بھی کسی موقع پر جو شان
و شوکت اور عظمت و عظمت دکھائی دیتی ہے وہ اسی تمدن کی یادگار ہے لہذا ایسے موقع پر جو شان
چلی کیے جاتے ہو فرش و فرش بچھائے جاتے زینت و آرائش کے جو سامان کیے جاتے تھے کہ آتش
پازی کے ہر نمائندہ دکھائے جاتے ان سے صنعت و حرکت کو بڑا فروغ ہوتا تھا ان میں بعض صنعتیں اب
بھی موجود ہیں اور اس دور کی تہذیبی نگاہ کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

ہندوؤں کے حواری ہندوؤں کے حواری مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں اور ہر میدان میں
ان کے یہاں مختلف قسم کے حواری ہیں مسلمانوں کے دور حکومت میں وہ اپنے ہر ایک حواری کو تہذیب
و تمدن و عین و عین کے ساتھ مناتے رہے اس طرح کے زمانے میں صرف ایک مثال فرما کر ہر کے حد میں
لگتی ہے کہ احمد آباد میں ہولی کے موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کیا ہوا کیا۔ مگر وہ عام طور سے
مسلمان مکران اور مسلمان عوام کی طرف سے ہندوؤں کے حواریوں کے منانے میں کسی قسم کی
دکھوت نہیں ہوتی لیکن اندرونی اور اہل الفضل نے ان کو ہندوؤں کی طرح ہی دیکھا۔ مگر اگر ان کی ادوار کی ادوار
فرائد کی کاہت و اپنے مسلمان عوام کا خیال ہو تو ہندوؤں کے ساتھ بڑھاپا اور ہندوؤں کے حواریوں
میں لڑائی بھی لپٹنے لگے تو ان میں ہم صرف خاص خاص حواری دیکھ کر نہ پتہ لگتا کہ ان کے سین کی
تفصیل بیان کر سکتے ہیں زیادہ تر مسلمانوں کی تعریف سے آتش و دیا گیا ہے تاکہ یہ بھی یاد آئے کہ
انہوں نے ان حواریوں کو کن نظروں سے دیکھا ہے۔

ہر ایک مکان میں مچا پڑا دھواں روانی کا
ہر ایک طرف کو اچھا ہوا دھواں کا
بھگی کے دل میں مٹا ہوا دھواں کا
کسی کے دل کو مڑا خوش نگہ دھواں کا
محبت بھار کا ہے دن کا دھواں کا

مسلمانوں کے لئے بھی بہت مفاد شروع کیا اور اس کی اہمیت ان طرح بتائی جاتی ہے کہ "مغربی حکام الدین اور ان کے محبوب بھائیوں کو باغی قرار دینے پر تو ان کے شباب میں انکس ہو گیا۔ حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صلہ نہ پہنچا، چھ مہینے تک سرکوت عادی رہی، اس کی بدولت وہ اپنے سرور بھی معلوم ہو رہے تھے۔ اور پھر اس غمزدہ حالت میں کسی طرح سرور قائم نہ ہو سکتا تھا۔ کابل سے قبا بغداد فی میں کافلان کے لئے ہر سرور کے پھول چڑھا دیے تھے اور مست اور گڑبڑ سے انہیں اپ رہتے تھے۔ غمزدہ کی اس کو کچھ کر سبب خواجہ کے قادی اور بدھ کی کے بدو اشعار ای وقت ہر روز سن کر۔ سرور کے پھول توڑتے اور پھرنی کو گنج کے کے مستانہ بیت اب انکی اور جھڑتے بھائیوں کے اشعار پڑھتے حضرت خواجہ کی کہ دست میں حاضر ہوتے تو اس وقت اپنے بھائی کے لئے مزار پر تھے امیر مہر و مستانہ اور ان کے کاروان کے اشعار سن کر عظیم نوازا امیر مہر و کا کام سنایا اور وہ وقت اپنی ہی جہاد کافلان کے لئے رہ جاتے تو ابی اور قریب ہر وقت کے سرور کو توڑتے اور سرور کے پھول پھرنے لگے۔ اشعار چڑھانے کے لئے مسلمان باغی قرار دینے کے لئے ان کے مزار پر اپنے بھائی کے اشعار پڑھنے کے لئے مزار پر آتے تھے۔ یہ اشعار بھی پڑھنے لگے۔

ہندوئیوں کی اصلیت
ان کی جمنافیمائی کیفیت

ناشی رام پریشاد صاحب بی۔ اے
پیشہ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول گوندہ
محکمہ اہل ان تعلیم کی رام کہانی، نئی تعلیم کا آئینہ
نوجوان کی زندگی۔ وہ ہمارے یہ نظر غیب آستانہ
وغیرہ وغیرہ

مکتبہ اسلامیہ، لاہور، پاکستان

غذا ہے۔ اور حصول تندرستی کا خاص ذریعہ۔
اس زمانہ میں فصل میں کھیاں نکلنے کی سری جنبش
آئے نہ یعنی ابتداء ہو کر سخت یعنی تکرار و پریشانی
کم ہو جاتی ہے۔

کڑیج یا کڑیچہ | اس کے دس چندرہ زرد
بعد عورتیں ایک چھوٹا سا توند
کڑیج یا کڑیچہ کا منائی ہیں اور اس زرد بھی وہ سہانگ
والی دیوی یعنی "گور" یا پارہی جی کی پرستش کر کے
اپنے خاوندوں کی زندگی اور آسائش کی دعا کرتی
ہیں۔ اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ
پیشہ کھانا بنا کر پیش کرتی ہیں۔

بسنٹ پنہی | اب فصل کے بار آور ہونے کا
اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ میں کھیاں
کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں تبدیل ہونے
لگی اس لئے کاشتکار کے دل میں قدرتی اُمید اور
خوشی پیدا ہوتی ہے۔ وہ زرد پھولوں کو خوش خوش
گلاب کر دیہی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب مل
بسنٹ کا زیوار مناتے ہیں اور زرد پھول اپنے اپنے
کاموں میں بطور زور لگاتے ہیں۔ اور خدا کے دعا

نمبر شمار	نام مضمون	نمبر شمار
۶۶	کائی اشنان	۹۷
۶۷	انگھن اور پوس میں تیسار نہ ہونے	۹۸
۶۸	کی وجہ	۹۹
۶۹	بلدیہ پور نمائی	۱۰۰
۷۰	شکرانہ کر	۱۰۱
۷۱	سکٹ چوکھ	۱۰۲
۷۲	کڑیج یا کڑیچہ	۱۰۳
۷۳	بسنٹ پنہی	۱۰۴
۷۴	جائی جنم	۱۰۵
۷۵	ماشو رازی	۱۰۶
۷۶	شیو جی کی دلچسپ مورتی	۱۰۷
۷۷	شیو رازی کا بلوچن اور دعا	۱۰۸
۷۸	مولکا انگھ	۱۰۹
۷۹	پھلیرا دوج	۱۱۰
۸۰	پولی	۱۱۱
۸۱	رنگ جیہہ گلان وغیرہ	۱۱۲
۸۲	دولہندی یا ٹوہل	۱۱۳
۸۳	دوج	۱۱۴
۸۴	سیتلا جی	۱۱۵
۸۵	نودرگا یا نورتر چیت	۱۱۶
۸۶	گنگورج	۱۱۷

کرتے ہیں کہ "مے پر ماتا ہماری محنت کا پھل عطا
کر اور پھیرے ہوئے درختوں میں پھل پیدا کرے۔"
جہانکی جہنم | حیرت انگیز فصل کی تیاری میں ایک ماہ
کا عرصہ باقی ہے اور پھاگن کی برسات
بعض اوقات آگن ہو جاتی ہے۔ یعنی اس مہینہ
میں اولے پڑ کر پکی کھیتی کو تباہ کر دیتے ہیں۔
اسی پریشانی کے زمانہ میں جاگی جی کا جہنم ہوتا ہے۔
جو نہایت اطمینان کا باعث ہے اور ہندوؤں کا
اعتقاد ہے کہ تکلیف اور مصیبت کے وقت ہمیشہ
خدا کی طرف سے مدد ہو کر ہم کو شادی دیتی ہے
جاگی جی کا جہنم قحط کے زمانہ میں ہوتا تھا اور اس
وقت لاجہ جنگ کو خود بل چلانا پڑا تھا۔ چنانچہ
اُن کی پیدائش نے صرف قحط ہی کو دور نہیں کیا
بلکہ راتوں کی ہلاکت کا باعث ہو کر تمام مخلوق کو
عذاب سے نجات بخشی۔ لہذا یہ "جاگی جہنم اولسویں
مہینے ہوئے کاشتکار کے واسطے لیکن اور شادی
کا خاص باعث ہے۔"

جاسٹیوری | اب کہیتوں میں اندج کی ابتدا ہوتی
ہے۔ اور کاشتکار کو اطمینان ہونے



فہرست

۱۳	پہلا باب - پس منظر
۴۱	دوسرا باب - سماجی تنظیم
۱۲۳	تیسرا باب - ولادت سے وفات تک کی رہیں
۱۵۹	چوتھا باب - جشن اور تہوار
۱۸۹	پانچواں باب - کھیل، تماشے اور دیگر تفریحی مشاغل
۳۳۲	چھٹا باب - سواریاں
۲۵۰	ساتواں باب - کائنات کے باہر میں عقائد
۲۹۵	آٹھواں باب - تعویذ پر ہندوستانی اثر
۳۶۱	نہیں باب - ہندوستانی فنِ موسیقی اور رنگیت
۴۲۸	دسواں باب - اردو ادب میں ہندوستانی عناصر
۵۲۸	فہرستِ مباحثات -

۱۴۴
”ہندوستان کی رسم کے مطابق انہوں نے گھوڑوں کو سجایا اور میرے سامنے پیش
جب میں گھوڑوں کا معائنہ کر چکا تو وہ ہاتھی لائے۔“

اورنگ زیب کے جانشینوں کے عہد میں یہ تہوار دربار میں منایا جاتا تھا۔ جہانگیر
کے عہد حکومت میں لکنا شہر کے مشاہیر ایک لکڑی کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا اور اس میں آگ لگا
جاتی تھی۔ اور بادشاہ اس منظر کے دیکھنے سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ اکبر شاہ ثانی اور
ظفر کے دربار میں اس جشن کا منظر ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

”دوسرے کے دن بادشاہ نے دربار کیا، پہلے ایک ٹیل کھٹ بادشاہ کے سامنے
اڑا یا گیا۔ بازغالے کا داروہ ہانڈا اور شکر لے کر آیا۔ بادشاہ نے بازغالے کو
باتھ پر بیٹھایا۔ دربار برخواست ہوا۔ تیسرے پر اصطلیل خاص کا داروہ
خاص گھوڑوں کو مہندی سے رنگ رنگہ رنگ برنگ کی نقاشی کر
سوسنے روپے کے ساز لگا کر جھروکوں کے پنجے لایا۔ بادشاہ نے گھوڑوں
کا ملاحظہ کیا۔ داروہ کو انعام دے کر رخصت کیا۔“

امراء اور عام مسلمان بھی ٹیل کھٹ دیکھنے میدانوں میں شہر کے باہر جایا کرتے تھے
لبسنت۔ کہنا ہے کہ بہار راگ اور میدان سنت نے بھی حضرت امیر خسرو
کو متاثر کیا تھا۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی
کس طرح سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے یہ روایت بیان کی
”ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین
کے حقیقی سوانح مولانا قلی الدین نور نے جو خواجہ رفیع الدین ہارون کے چھٹے
عنوان شباب میں لکھا ہے وہی اس دارنا پائیدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت
المشائخ کو اس لائق ہونہار، سعید اور صالح سوانح سے بہت الفت تھی۔“

اندر اس کے انتقال سے ایسا جدمہ ہو چکا کہ عالم سکوت طاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اس صدمہ کی وجہ سے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران جاں نثار اقام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عالم ماتم اور کلام تھا۔ خصوصاً صاحبزادہ علاوہ اپنے ربخ و صدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمہ اور ہوجہ کے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی قوت کی شکستگی اور غم غلط ہونے کا پیدا ہو جائے۔ ایک دن اپنے چند دوستوں بشکل میں سیر کرتے پھرتے تھے بہار کے خوشنما موسم کا آغاز تھا۔ سرے بھرے کھیلنے کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے بہار پر کا کا کاجی کا مندر تھا۔ ایک کا دن تھا۔ مندر پر میل لگا ہوا تھا۔ اور مورت پر سرسوں کے پھول کا منہ بہ نا۔ اور اکثر لوگ عجیب خود فریبی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو نے اس خوشنما منظر کا ان کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی وقت فارسی اور چند شعر موزوں کئے۔ جب گل سے سرسوں کے پھول توڑے اور گچڑی کو ذرا اس طرز سے باندھا کہ ستارہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اس سہیت سے ان اشعار بے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قوت سلطان المشائخ اس وقت حسب دستور مرحوم خواہر زادہ کے مزار پر تھے اور قریب ہی ایک برج میں جلوہ افروز تھے۔ آپ خسرو کی یہ ستارہ ادا کیے اسندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت منظور ہوئے۔ کامل چیدہ بیٹے کے پایا۔ اس دن سے آج تک بسنت چمپی کے دن جب ہندو کا کاجی کا مندر توڑتی اور قریب و ہمار کے خاص اور متنازعہ صوفی چند توالوں کو لے کر پھول تھماتے اشعار پڑھواتے ہوئے اول اس مقام پر جہاں حضرت سلطان

المشائخ اس دن تشریف رکھتے تھے، جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہر زادہ مولانا تقی الدین فریح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضہ اقدس پر آتے ہیں۔ قوال ہندی کی ٹھہریوں کو پڑھ کر اس شعر

اشک ریز آمد است ابر بہار
ساقیا گل بریز و بادہ بسیار

کو بار بار پڑھتے ہیں۔

بست کا میلہ ناگہ جنوری فردی، مینے کی پانچویں کو منایا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑے جشن کا دن تھا۔ ایک دو سکر رنگ ڈالا جاتا اور عید چڑھا جاتا تھا۔ بیستی لباس زیب تن کئے جاتے تھے گلے، بجانے اور قص و سرود کی ٹھیلیں بجتی تھیں۔ یہ نسلے ہندوستان میں آدہا بار کا زمانہ ہوتا ہے۔

مغل دربار میں بڑی دھوم دھام سے یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ اور رنگ زیب کے جھڑیاں دربار سے اس کارواج اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کے جانشینوں کو اس سے بڑی بڑی تہی شاہزادہ عظیم الشان اس دن زرد لباس پہنا کرتا تھا۔ شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے دور حکومت میں شاہی محل میں جس شان و شوکت سے جشن منایا جاتا تھا۔ اس کا عکاسی شاہ عالم ثانی نے خود نادر آت شاپی کے اشعار میں کی ہے۔

آج لے آئیں سب سکھی لیں یہ بچہ رنگ
نئے نئے بچوں کو کہیں بسنت شاہ عالم کے رنگ

پھولوں کے گڑھے بنا کر، ان کو سر پر رکھ کر بسنت لگاتے ہوئے بادشاہ کو مبارکباد دی جاتی تھی مستورات اور خدام محل کی ساری رنگ کے لباس پہنتے تھے اور ہر طرح کی خوشیاں مناتے تھے۔ رقص و سرود ہوتا تھا۔ بادشاہ کی تعریف و تہنیت

۱۴۷
تے تھے۔ اور بادشاہ کی دراز سی مھر کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

بادشاہوں کی تعلیم میں امیر لوگ بھی اس تہوار سے دل کھول کر حفظ اٹھاتے تھے۔ اور ان کی عمل کی مستورات بھی اس دن کی رسوم ادا کرنے میں اپنی ہنرمندیوں سے بھی بوجھ نہ رہتی تھیں۔ طلباء بانی نے لکھا ہے کہ نواب صولت جنگ زمانہ محل، دہلی میں بسنت بچہ کی کاجش منایا کرتی تھیں۔ نواب غازی الدین خاں حیدر پاشا بھی لہاس پہنا کرتا تھا۔ اور محل میں ہر طرف کیسری رنگ ہی کی بھرنار ہوتی۔ مسلمان بھی اس تہوار میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ سات دن تک چٹن منایا جاتا۔ دہلی خاں نے دہلی میں چٹن بسنت کا چشم دید حال ان الفاظ میں پیش کیا:

بہشت کے میلے دہلی کے تمام میلوں میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے
اٹھائے ہوتے ہیں۔ بسنت کے پہننے کی پہلی تاریخ کو دہلی کے تمام باشندے
حضرت سرور کائنات کے قدم شریف پر آتے ہیں۔ اور صبح سے شام تک
ان کی قیام کرتے ہیں۔ قدم شریف کے آس پاس کے باغات اور میدان
نیکانہ آدھیلوں سے بھر جاتے ہیں۔ تمام لوگ زرق برق زعفرانی
لباسوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ آراستہ پیراستہ ہو کر آتے ہیں۔ قدم
پہننے کے صحن میں ارد گرد کے تمام مقامات پر ڈیرے اور نیچے لگا کر دیتے
ہیں۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی لاتے ہیں اور اعلیٰ اور قیمتی فرش
بچھاتے ہیں۔ جس کے سبب ہزاروں رنگ برنگ کے فرش میدان
ہیں اور قدم شریف کے صحن میں نظر آتے ہیں۔ جس پر اہل دہلی ٹولیوں کے
میلے ہوئے خوش گیسوں اور نفر کی مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں
اور سیر سے اس خیال سے آتے ہیں تاکہ وہ اپنا ڈیرہ قدم مبارک

۱۴۸

کے صحن میں ڈال سکیں۔ اس پر بھی بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کیوں کہ
ہزاروں اشخاص اس وقت آتے ہیں اور اچھا خاصا ہجوم صبح سویرے
ہو جاتا ہے۔ قدم شریف کے اندر اور باہر تمام دن قوالوں کا گانا مارتا رہتا
ہے اور مچرا بھی ہوتا ہے۔ ہزاروں قوال اور ہزاروں مچرا کرنے والے
جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ زمزم سبکی کا ایک ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے
جس سے روح میں وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صبح کی نماز سے
عصر تک یہی حال رہتا ہے۔ اس کے بعد لوگ فاتحہ و ورد پڑھ کر اپنے گروں کو واپس
چلے جاتے ہیں۔ دوسرے دن اسی طرح دہلی والے خواجہ قطب الدین بختیا کاکی کے
مزار پر جو مہر ہوتے ہیں اور تمام دن مزار کی زیارت کرنے اور فاتحہ پڑھنے، سیرتِ نوحی
کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ بالکل قدم شریف کی طرح یہاں کا بھی منظر ہوتا ہے۔ لوگ شام تک
ہوتے ہیں۔ اور راستے میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی کھڑا
پر چراغاں کرتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر دوسرے دن سلطان المشائخ کی درگاہ
معنی پر خلعت کا مجمع ہوتا ہے چونکہ حضرت کی درگاہ شہر کے قریب ہے۔ اس
وجہ سے یہاں بے انتہا لوگ آتے ہیں اور اس سبب سے بھی مجمع زیادہ ہوتا
ہے کہ سلطان جی سے تمام دہلی والوں کو بے حد عقیدت ہے۔ درگاہ شریف
میں مجلس سماع منعقد ہوتی ہے۔ اور نامی گرامی قوال جمع ہوتے ہیں۔ صوفیاء
اور اہل ذوق حضرات دن بھر وجد اور حال میں رہتے ہیں اور مشائخ اور
فقرا بھی راقیوں، اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ عوام قوالیاں سننے
اور تفریحات کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ دن بھی بڑی خوشی اور
مست سے پورا ہوتا ہے۔ جو تھے دن حضرت رسولِ ماکہ کفر پر پانچویں

حضرت شاہ ترکان کے مزار پر چھپے دن قلمداری میں اور ساتویں دن حضرت عذریٰ
مزار پر پہنچے گئے اور لوگوں کے جمع ہوتے تھے۔

بحیثیت جمعی البست کا ایک پورا مہفتہ بہت دلچسپ اور دلچسپ ہوتا تھا۔
اس میں سیر و تفریح، دلچسپی اور نرسہ پرستی کے پورے سامان موجود ہوتے
تھے۔ وہ پورے ایک سال میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ وہ البست کے
ایک ہی ہفتہ میں حاصل ہو جاتا ہے البست کا آنا شاندار اور رنگین نظر
صورت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

شمالی ہندوستان کے تمام بڑے شہروں اور دیہات کے لوگ اس
دن بزرگوں کے مزار پر جاتے تھے۔ پنجاب کے علاقے میں اس دن چنگ باری
ہوتی تھی۔

فائر و پوری کی البست کی منظر کشی قابل ملاحظہ ہے۔

آج ہے روز البست اسے دوستان سرقہ میں پوستاں کے درمیان
بان میں ہے پیش و عشرت رات دن ٹکڑیاں بن نہیں گزرتی ایک چھین
ہفتہ کے دن پر ہے لباس کیسری کرتے ہیں صد برگ سولی سب سبھی
چھو جلی از بس کیسری تازہ کرتی ہے بہار جعفری
اچھے ہندو نے جھولی گاٹی بندل کے نکال ننگ لائی تھی ٹھٹھولی

جو حقیقت ۱۵۵۰ء تک آگرہ اور دہلی کے مسلمان اور بالعموم شمالی ہند کے مسلمان
میلہ بڑی دھوم دھام اور جوش و خروش سے مناتے تھے حیات جاوید میں کھا
میں جو البست کے میلہ ہوتے تھے۔ سرسید احمد خاں بھی ان میں شرکت کرتے
تھے کہ نامہ خاجہ فرید کے مزار پر چلے گئے تھے میں جو البست کا میلہ ہوتا تھا۔

{ اس میں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مشغول اور مستغرق ہوتے تھے۔ }
آئی نائے میں عوامہ محمد اشرف نامی ایک بزرگ دہلی میں رہتے تھے۔ ان کے بھائی
گاہ پر البست کا میلہ ہوتا تھا۔ شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ نامی، نامی رقا صگر
لباس زیب تن کر کے وہاں برائے قص آتی تھی۔ مکان میں زرد فرش ہوتا تھا اور دا
کے سامنے ایک چوڑا تھا جس میں ایک حوض تھا۔ اس سے زرد پانی کے فوارے چھ
تھے۔ باغ میں موسم کی مناسبت کے پھول کھلے ہوتے تھے۔ اور طوائفیں باری باری
کرتی تھیں۔

سعید احمد مارہروی اپنے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پندرہ دن تک
مختلف مزاروں پر البست کے اسلامی میلے نہایت دھوم کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان پر
روپے صرف ہوتا تھا۔ آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سلیں لے کر جنگلوں میں بس
منانے اور جلوہ پوری اڑانے جاتے تھے۔ اور گھوڑوں میں عورتیں بھی بستی کپڑے پہن کر
چڑھا کر کپکان کرتی تھیں۔ بل بل کر گیت گاتی تھیں۔ شمالی ہندوستان کے اکثر شہروں
تعبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش البست کی رسمیں جاری تھیں۔

سلوٹو اس جہوار کو راکھی بندھن بھی کہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے اسے ایک ملک
کی حیثیت بخشی تھی۔ اور خود اس نے اپنی کلائی میں راکھی بندھوا کر
بادشاہ کی بیوی میں امیروں نے بھی بادشاہ کی کلائی میں راکھی باندھنا شروع
اور وہ لوگ خود بھی اپنے ملازمین سے راکھی بندھواتے تھے۔ چہاں گیسر نے اپنے دور
میں ایک حکم جاری کیا کہ تمام ہندو امرا اس کی کلائی میں راکھی باندھا کریں۔ بعد
یہ جہوار دربار مغلیہ کے جشنوں میں شمار کیا جانے لگا۔ اور رنگ زیب کے جہا
کے عہد میں ۱۵۵۰ء تک دربار میں اس تہوار کے رسوم پر عمل ہوتا تھا۔ شاہ عا



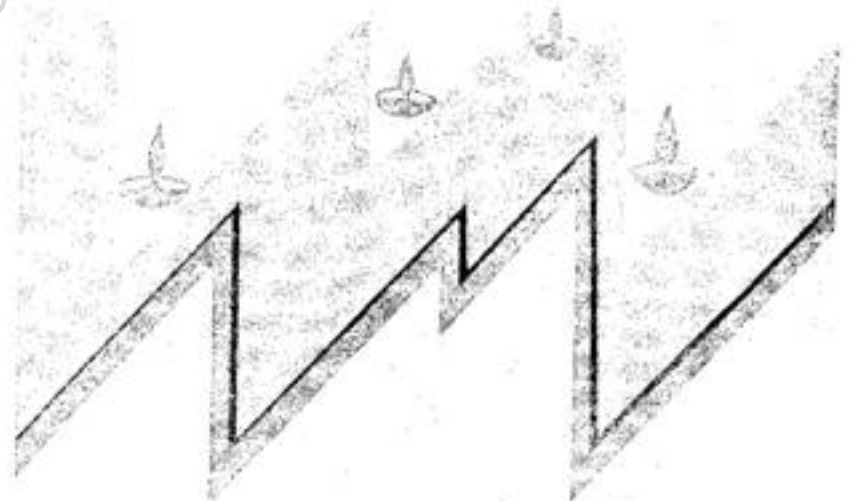
ہندو توباروں کی دلچسپ اصلیت

منشی رام پرشاد ماسٹر
بی اے (اینگلش)

خدا بخش اوپنٹل پبلک لائبریری، پٹنہ



ہندو توباروں کی دلچسپ اصلیت



خدا بخش اوپنٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

ہندو تہواروں کی لکھنؤ پبلشیت

جس میں

منطقہ اُچارہ کی حالت۔ ریگستان کی صورت، اکبری انصافی۔ ہجری اور عیسوی سنہ کی ضرورت دعا کی قوت اور خدا کی عجیب حکمت کا اظہار کر کے ہندوؤں کا زبردست اخلاقی اور تمدنی انتظام بیان کیا گیا ہے اور اسلامی اور عیسوی تہذیب کا ذکر نیز کر کے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کی گئی ہے۔ اور ہندو تہواروں کی تاریخی اور جغرافیائی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔

مصنفہ

نشی رام پرشاد صاحب، پتھر بی اے (علیگ)

ریڈ اسٹرگزمنٹ ہائی اسکول پٹنسر

صائب ریڈ اسٹرگزمنٹ ہائی اسکول کستی دھیر پور دو ٹوڈہ ڈائمنڈ جوبلی ہائی اسکول قنچ
ڈیپٹی انسپکٹر مدارس، جالون۔ فرخ آباد۔ ایسٹ ویمپل پرنسپل کالج انڈینسٹریل ایڈیا
مصنفہ نے لکھنؤ کی رام کمانی۔ نئی تعلیم کا آئینہ دار جانچو نظر نہیں آتے۔

انچنگ دی ہجرتوں کی زندگی وغیرہ وغیرہ
صلے کا پتہ ۱۶ سر جوئی دلیو لین میقبول گنج گڑھ لکھنؤ

۱۹۳۲ء

بار اول لکھنؤ
مطبوعہ دی فائن پریس پریٹ ڈو لکھنؤ
تعداد صفحات ۳۱۶ (تمام حقوق محفوظ ہیں) (تفصیل ۱۸۳۲ء)

ہندو تہواروں کی لکھنؤ پبلشیت

۱۳۶

جس میں

دلانے کے واسطے دیدیا سبھی نے جب ششکر کو یہ برت بتایا۔
چونکہ کنیش جی تمام سنکٹ یا نکالیت دور کرنے والے خیال کئے جاتے
ہیں اسلئے اس کنیش جی کو سنکٹ چوتھا یا سنکٹ چوتھہ کہتے ہیں۔

کمر تیج یا کمر چوتھہ | اس کے دس پندرہ روز بندہ عورتیں ایک چھوٹا سا
تہوار مناتی ہیں جس کو کمر تیج یا کمر چوتھہ کہتے ہیں۔
شکرانت کے گنگا اشنان کے بعد ہر پالی تیج یا کمر تیج کی طرح یہ
عورتوں کا پہلا تہوار ہے اس روز بھی وہ ہماگ والی دیوی یعنی گوری پارتی
جی کی پرستش کر کے اپنے خاندانوں کی زندگی اور آسائش کی دعا کرتی ہیں
اور خاندان کی بزرگ عورتوں کے واسطے لذیذ میٹھا کھانا بنا کر پیش کرتی
ہیں۔ بعض قوموں میں اس روز جیونیوں کو چٹکا بھی ڈالا جاتا ہے۔

بسنٹ پنچمی | اب فصل کے بار آور ہونیکا اطمینان ہو چلا اور کچھ عرصہ
میں کلیاں کھل کر تمام کھیت کی سبزی زردی میں
تبدیل ہونے لگی۔ اس نے کاشتکار کے دل میں قدرتی آسگ اور خوشی
پیدا ہوتی ہے۔ وہ ماگھ کے آخر ہفتہ میں بسنٹ پنچمی کے روز در دیکھوں
کو خوش خوش گھر لاکر بی بی بچوں کو دکھاتا ہے اور پھر سب ریل کر بسنٹ کا
تہوار مناتے ہیں اور در دیکھوں اپنے اپنے کالوں میں بطور زیور لگا کر خدا
سے دعا کرتے ہیں کہ اسے پر ماتا ہماری نعمت کا پھل عطا کر اور پھولے
ہوئے درختوں میں پھل پیدا کر۔

بسنٹ پنچمی کو دشنبو بھگوان کا پوجن ہوتا ہے اور بعض اقام آم کا پود

(نوٹ ۱-۱) ان تہواروں پر ماہتاب کا شاہدہ کرنے کے بعد عورتیں کھانا کھاتی ہیں۔

(نوٹ ۲-۲) پچھلے گزری کے موسم میں آسمان گرو دھارے سے صاف نہیں ہوتا اس لئے اس

زمانہ میں شاہدہ کا تہوار کوئی نہیں ہے۔ برسات کے شباب میں شاہدہ شروع

ہوتا ہے اور جاڑوں کی برسات تک رہتا ہے۔

۲- چاند کی عدم موجودگی میں آسمان کا شاہدہ دیوالی

۳- چاند کے شاہدہ سے ہزار کی شب پتھر چوتھ

۴- آفتاب کا شاہدہ سال میں ۱۲ بار ہر شکرانت کو۔ اس روز بعض قومیں

میں آفتاب کی شکل زمین پر بنائی جاتی ہے۔

(۳) علوم و فنون کے تہوار :-

(۱) موسیقی کی ابتدائی تعلیم۔ ہاون دواشی

(۲) ہم اور کھیتی وغیرہ کے سامان کی نمائش۔ دسہرہ۔

(۳) تصویر کشی (۱) نباتات کا عام نظارہ۔ برماوش

(۲) پرندوں کا عام نظارہ۔ سلونو۔

(۳) حیوانات پرند اور حشرات الارض کا نظارہ۔ اہولی

(۴) تمام مخلوق کا نظارہ۔ روپ چودس

(۵) مخلوقات کا مکمل نظارہ۔ دیوالی

(۶) تاریخی تصویر کشی۔ دیو آسمان ایکادشی

(۳) قدرتی نظارہ کا شاہدہ (۱) برسات میں۔ ہریالی تیج {

(۲) جاڑوں میں۔ ہنسنت پنچمی }

کلیاں پیدا ہونے کا زمانہ۔

(۳۵) اگر تیج یا اگر چوتھ سماگن عورتوں کے کھانا بنانے کے امتحان اور بعض

اقوام میں چوٹی کھلنے کا دن۔

(۳۶) ہنسنت پنچمی فصل میں بھول پیدا ہونے اور کلیاں کھلنے کی خوشی اور {

قدرتی نظارہ کے لطف کا دن۔

(۳۷) جاکلی جنم۔ کاشدکار کے اطمینان اور شانتی کا دن اور فصل کی غلت

میں کامیابی کا تہوار۔ بعض لوگ یہ تہوار ایم راحت یعنی

بسیاکھ میں مناتے ہیں۔

(۳۸) ہماشیور اترمی فصل رجب میں زمانہ نیم درجہ سے فانی ہو کر برت

یعنی روزہ رکھنے اور گنگا اشان کرنے کا دن۔ اس روز

سے عین راحت اور دو ہفتہ کی کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

(۳۹) پھلیس اور ج۔ ہندو کرسس کے سرائی حصہ کی ابتدا۔ جاڑوں کی برسات

اتھوٹ اکا زمانہ ختم ہونے پر دس انفیکشن کا پہلا دن فصل

رجب کے بارود ہونے کی خوشی کا ابتدائی تہوار۔

(۴۰) ایکادشی فصل رجب کی کامیابی پر مندروں میں دعا کرنے اور خوشی

منانے کا دن۔

(۴۱) دواشی فصل کی کامیابی پر عزیزوں کے ساتھ گھر میں خوشی

منانے کا دن۔

(۴۲) ہولی فصل کی کامیابی کی جانش اور اطمینان کا خاص دن۔ ہولی

کتاب مصنفہ منشی رام پرشاد ماتھرنی، اے

(۱) ہندو توہاروں کی اصلیت | اس کتاب کو ہندو پیشوا صاحب دھرم پور دھرم راج سرحد
سرحد اقبال سرحد داتا سرحد کاہل سرحدی دانی جی تاسنی

مولانا محمد علی راکس، دھرم نے نہایت پسند فرمایا ہے۔ ایک جلد ہندو پیشوا ہندو کے واسطے لکھی گئی

ہے۔ قیمت ۹

(۲) ایضاً (ہندی) اس تحریر پر مصنف کے واسطے شری معارف دھرم ہندوستان کے ذریعہ

ہندوستان ہندوستان خطاب تجویز کیا گیا ہے اور تعلیم نے اسکو پوری مائوس سے منظر پیش

کا جو کچھ ہم کے دوسرے کے اساتذہ اور طلباء نے کتب خانہ کے واسطے منظر فرمایا ہے قیمت ۱۱

(۳) ہندوستانی تعلیم کی رام کہانی | ہندوستان۔ عدنان اودھانستان میں نہایت مقبول

ہوئی ہے اور ہزاروں جلد حکام نے خرید فرمائی ہیں۔ قیمت ۱۱

(۴) ایضاً (ہندی) قیمت ۱۱

(۵) اودھاندار جو نظر نہیں آتے | نہایت عمدہ اور خوبصورت۔ ہندوستان کے کئی

صوبوں میں سرکاری طور پر منظور کی گئی ہے۔ قیمت ۱۱

(۶) توہاروں کی زندگی | اس کتاب میں ہندوؤں کے زندگی کے آسان طریقے بتائے گئے

ہیں۔ صاحب دھرم پور دھرم نے سرحد داتا سرحد کاہل سرحدی دانی جی تاسنی

جادی فرما کر ہندوؤں کی زندگی کا علم دیا ہے اور تعلیم نے بھی اسکو استعمال کے واسطے منظور

فرمایا ہے۔ قیمت ۸

(۷) سچا دیش بھگت | اسکا رنگ نہایت دلچسپ اور مفید کتاب کی ایک اور شہنائی

جس میں بکواساں بہانہ نے جو سورت چیتا سکا وہیں تعریف کی ہے۔ قیمت ۱۱

(۸) ہندو توہاروں کی رام کہانی | اس میں ہندوؤں کے تاریخی حالات۔ تمام

ہندوستان کی رسمیات و طریقہ اور تیرتوں کے حالات اور عجائبات کا تذکرہ نہایت دلچسپ

اور مفصل تحریر ہے۔ قیمت ۱۱

(۹) ہندو توہاروں کی دلچسپ اصلیت | نہایت مختصر اور دلچسپ تحریر ہے۔ قیمت ۱۱

کھٹن کا پتہ: منشی رام پرشاد ماتھرنی، اے نمبر ۱۶ سرحدی دانی جی تاسنی۔ لکھنؤ

* ہندن جا مکیم نے ٹ *



۴-۰۰

منشی رام پرشاد ماتھرنی، اے کو توہی ضاع دادو

"بسنٽ پنڄمي"

بسنٽ پنڄمي جو ڏينهن مانگهه سهڻي جي سهڻي
 پکن جي پنڄين ڏينهن ٿيندو آهي. انهيءَ ڏينهن بسنت
 يا بهاريءَ جي موسم شروع ٿئي ٿي. اهو ڏينهن اهڙو
 ٻڌائڻ ۾ نه ايندو آهي، جهڙو هولي، جو ڇهن هفتن
 کن پوءِ اچي ٿو. هولي سچو پچو آهي بسنت يا بهار
 ۾ ٿو. جواني انهيءَ بسنت پنڄميءَ کان وٺي بسنت
 پٺ جي شروعات ٿئي ٿي. انهي ڏينهي سروسٽي وڌي
 ۽ گائڻ وڌي جي دٻويءَ جي پوڄا ڪرڻ ۾ ايندي آهي.
 سروسٽي دٻويءَ جي مورتي پوڄا ۽ آس پاس جون
 نين سڀ اڇيون رکيون آهن. ڪو به ٻيو رنگ انهيءَ
 دٻويءَ کي نه وٺندڙ آهي. منجھو روپ سنگ جهڙو
 ٻڌندو آهي. هيءُ شجھي ڪنيا آهي. هڪ هٿ ۾ ڪتاب
 ۽ ٻئي هٿ ۾ ستار هوندي اٿس. سندس پوڄا ۾ به
 بدگل ڪم آڻيندا آهن. پوڄا مهل ڪتاب مٿس ڪپڙي،
 پل، گهر، تيل ۽ هڪ به سار ڪم ۾ آڻيندا آهن.
 ڪپڙي ۾ مٿس نه وجهي آهي ڇاڪاڻ ته مٿس ڪاري
 ٽي ۽ قلم ڪاٺي جو هوندو آهي ۽ نه رک يا لوهه
 جو. پوڄا مهل باجهري جا سنگ، سڱ، ماڻهن چٽا،
 سر ۽ انب جون ٽارون ڪم آڻيون آهن. بنگال ۾
 نار رواج آهي جو انهي ڏينهن ٻار جي وڌي شروع
 ڪرڻ سڀاڳي سمجهي آهي. ڇوڪر جڏهن پنجن سالن

منار شيوا منڊلي ڪوٽڙي جي ڪتابي سلسلي

جو ڪتاب نمبر 123

هڏن جا مکيه ٽپ

سينگار بندڙ:

وينجھراج سيڏل



ڊسمبر 1985

4.00

ٻيڏا

35.00

ساليانو چندو

100.00

ٽن سالن لاءِ

ڇپائيندڙ:

سندر شيوا منڊلي

ڪوٽڙي، ضلع دادو سنڌ فون 50439

PANJAB UNDER THE LATER MUGHALS

DR. B.S. NIJJAR

K
955.545025
H 657

مهاشو رانري

۲۲

جيو تيمبو آهي، تڏهن پهرئين مرحلي ۽ ٻي پوڄا
ڪرائي پوءِ ٻي آڻي ڪٽول ۾ ڏياريو آهي. پنجاب ۾
هيءَ ڏينهن خاص طرح تعزيت اٿائڻ سان ملهائو وڃي
آهي، ۽ تعزيت اٿائڻ ۾ مسلمان به خاص بهرو وٺندا آهن.
اڄ ڏينهن تڏا به هي ڏينهن وڃي پنجاب ۾ تعزيت
اٿائڻ سان ملهائو ويندو آهي ۽ هي ڏينهن قس تي شاعر
لغز چرهن تڏا هي به هڪ قسم جو بهاريءَ جي خوشيءَ
جو اظهار آهي.

The 'Basant-dā-Melā' was held in January at the tomb of Haqiqat Rāi, near the village of Kot Khwaja Said.¹ The fair was held at the time of the blooming of the mustard seed, and its frequenters wore yellow turbans or put mustard seed in their turbans. This fair commemorated for the martyrdom of Haqiqat Rāi, the only son of Bāgh Mai Puri a Khatri of Sidhkot. While still a boy, his Muslim teacher uttered a few disgraceful words about Hindu gods. Young Haqiqat Rāi probably born in 1719 A. D., could not tolerate it and he retaliated by making deprecatory a few remarks against Prophet Muhammad and Bibi Fatima. Thus a mock trial was held at Lahore, and the order of death was pronounced against him. He was then chained to a pillar and caged till he fell as a martyr in 1734 A. D. The whole of the non-Muslim population of the Panjab wept over the martyrdom of Haqiqat Rāi.²

The 'Chakghām dā Melā' was held at the Shalāmār Gardens on the last Saturday and Sunday in March. Originally it was a religious pilgrimage of the tomb of Mīdho Lāl Husain at Bighbānpur but as the fair became more popular it was shifted to the gardens. All classes of males and females attended the fair, but not the better classes of women. A horse fair was held during the three days preceding the great fair day.

The 'Rām Thammār' fair was held in the village of Thammār near Kasūr, in April on the Hindu festival of Baisākhī. The railway had shown most of its former importance as people preferred to visit the more important Baisākhī festival at Amritsar.

Id-ul-Zuhā was held on the tenth of Arabic month of Zil Hīj in commemoration of Abraham's sacrifice of his son Ismail. A cow, a sheep, a goat or a camel was sacrificed by all good Muslims who ate some, and gave away the rest in alms. Id-ul-Fitr was the festival of breaking the fast that had been observed throughout the month of Rāmzān. Prayers were offered at the Shāhi and other mosques in the morning; and in the evening a fair was held at the tomb of Shāh Abdul Ma'ālī outside the Mochi Gate.

1. Three miles from Lahore.

2. For detailed account please read, *Chār Bagh-e Panjab*, Munshi Ganesh Das Wadhwa, Pp. 234-246.

Transformation of S.R.M., G.C. Narang, Pp. 57-58

**PANJAB
UNDER
THE LATER MUGHALS
(1707-1759)**

By
BAKSHISH SINGH NIJJAR
M. A., Ph.D. (History) M.A., M.O.L. (Persian) M.A. (Pashto)
Hon. Urdu, Persian & Pashto
Director
Panjab State Archives, Patiala.

Foreword by
DR. S. N. PRASAD
M.A., Ph.D.
Director
National Archives of India

BOOK TRADERS
P.O. BOX 1854 LAHORE

مفتی اعظم پاکستان
احمد رضا خان صاحب دہلوی

احسن الفتاویٰ

بمختار محکرات و فتاویٰ و مسائل غیر مندرجہ

تالیف

فقیہ العصری عظیم حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم



واحد تقسیم کنندگان

ایچ ایم ایس سٹیج پبلیکیشنز

ازب منزل، پاکستان چوک، کراچی

احسن الفتاویٰ جلد دوم

۱۷۶

فتاویٰ رضویہ

پیشکش آرا یا جائز نہیں:

سوال: کیا پیشکش آرا یا جائز ہے؟ بیعتا تو جبر و الجواب یا اسم مایم المصواب

پیشکش آرا یا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاد مذکور ہیں:

① کبوتر کے پیچھے ہانگنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان قرار دیا ہے۔
حق: اس حریف و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان قرار دیا ہے۔
مردمان و جلا پیشہ خدمتہ تعالیٰ شیطان و پیغمبر شیطان (ابو داؤد مستدرک ۲)
کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دنیویہ و دینیہ سے غفلت کا منہدم پیشکش آرا
میں بھی پایا جاتا ہے، لہذا یہ وعید اس کو بھی مثالی ہے۔

② مسکد کی جماعت بکری غلو نماز سے ہی غافل ہو جاتا، مثلاً اور جہنم کے حرام

ہونے کی اللہ تعالیٰ نے ہی بیان فرمائی ہے، وچند کہ حق و کس اللہ و حق اصولیہ

③ پیشکش آرا یا جائز نہیں کی حجت پر کھوت ہو کر اڑنے جاتے ہیں، جس سے اس پاس

اللہ تعالیٰ کی سیدہ ہوئی ہوتی ہے۔

④ بعض اوقات پیشکش آرا یا جائز نہیں کی حجت کو پیشکش آرا یا جائز نہیں کی

جما اٹھاتا ہے، اس قسم کے واقعات شائع ہوئے ہیں، اس میں اپنے کو

جانت میں ڈالتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حجت پر سونے سے منہ

فرمایا ہے میں پرکڑ نہ ہوں۔

⑤ یہ جہاں عرفہ کو تا قید میرا اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو

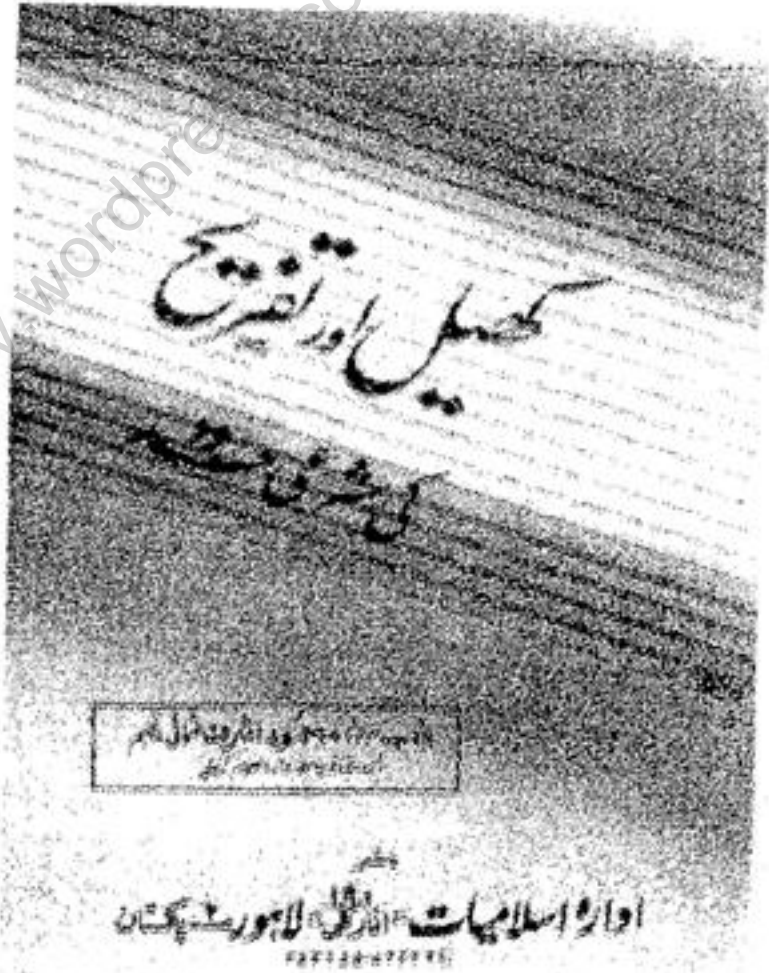
شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

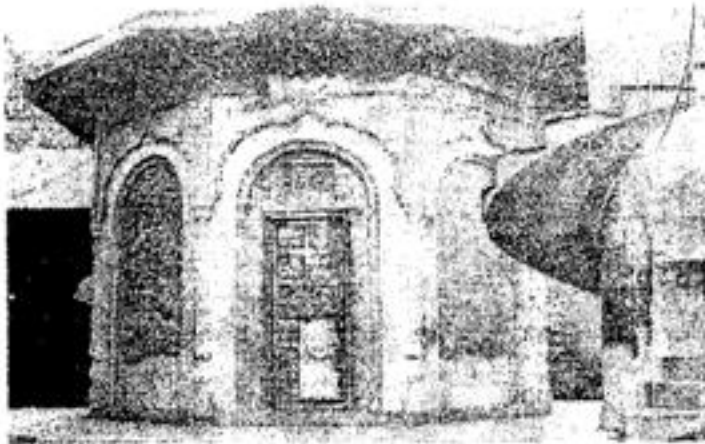
پیشکش آرا یا جائز نہیں کی حجت پر کھوت ہو کر اڑنے جاتے ہیں، جس سے اس پاس

اللہ تعالیٰ کی سیدہ ہوئی ہوتی ہے۔

۱۱ محرم ۱۳۸۷ھ

مفتی عظیم حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ کے فتویٰ کا عکس





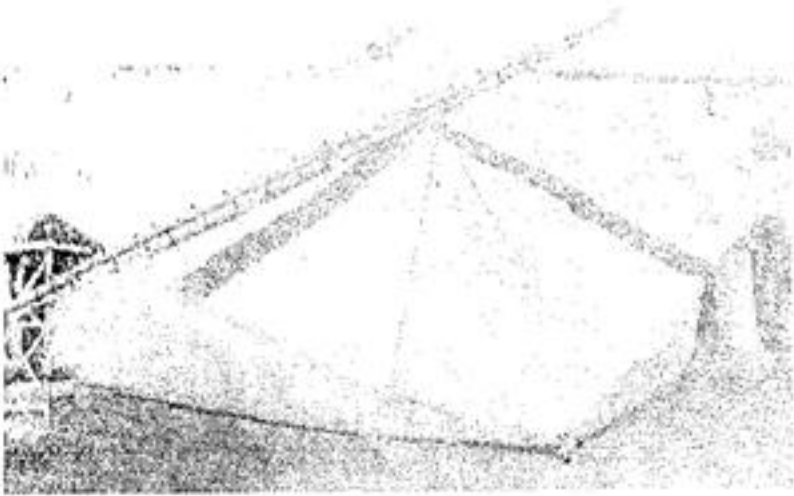
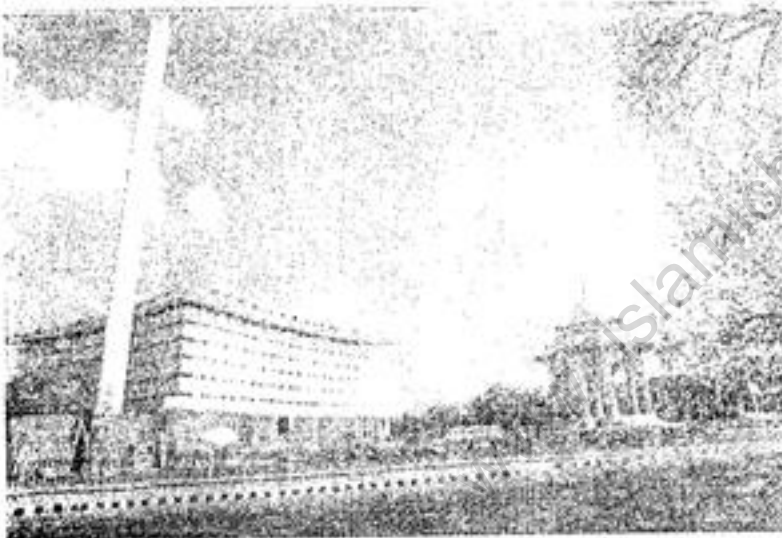
سیدہ امینہؓ کی قبر، مدینہ منورہ، جو کہ ایک عجیب و غریب شکل کی ہے۔ اس کی تعمیر کا زمانہ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔



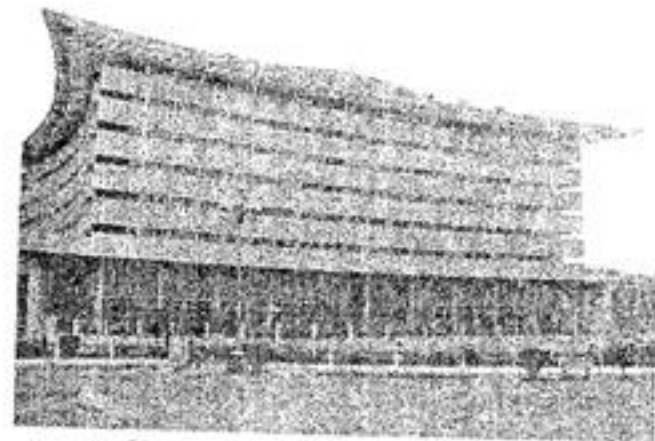
سیدہ امینہؓ کی قبر، مدینہ منورہ، جو کہ ایک عجیب و غریب شکل کی ہے۔ اس کی تعمیر کا زمانہ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

فہرست تصاویر

۱۶۳	سادگی حقیقت رائے
۱۶۳	پتیلی کولا کی گمراہ کن تشہیر
۱۶۳	بادشاہی مسجد اور مینار پاکستان
۱۶۵	عاشق رسول (ﷺ) کی آرام گاہ
۱۶۶	حقیقت رائے کی مڑھی
۱۶۷	مندر، مڑھی اور کپٹن
۱۶۸	دیوبند کل چنگ اور واہڈا ہاؤس
۱۶۹	دوسری تصویر

[illegible]

اور میں اس طرف کی لٹائوں کی کچھیں اس وقت کے لوگوں میں پھیلے ہوئے تھیں جو انوکھے زمانہ انصاف سے گھری ہوئی ہیں۔ اس سربہ چھوٹی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے اور دیگر ماحولیات میں تقریباً ۳۰۰ افراد رنجی ہو کر پتلی جالیوں سے روٹی کے لیے اس دھڑلے میں تھک رہے تھے کہ ان کی گرفت کا پھل کر لیا تو ان کی ہانک پڑا نہ وہ بے شک کے ۔

[illegible]

وایچا پلاس اور تاریخی عمارت، جس کی بجائی منزل استقامت کا چہرہ ہونے والوں کے کلام سے چھوٹی ہے۔ "ہو کا کا" کے عنوان اور اس لوگ کی "غائب" سے مراد کسی سر پرستی میں خفا یا کوشش کے کار ہے "تعمیر" بھی کیا جاتا ہے۔ گھارے منگ اسٹیل صورت کے عربی کچا عمارت کے ذریعے جس طرح کے کھنڈے بنائے گئے ہیں اور مرہاں اور کچا عمارت میں مشمول ہیں اور وہ عمارت بھی کون سا کام تھا۔ یہ بنی بنی مشمول کا عمارت اور ان کی تخلیق کی وجہ سے اور اس کے عمارت عمارت ہے۔

روشن ستارے

اللہ کے ان نیک بندوں کے واقعات جن کی زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی جو قول کے بچے اور عمل کے بچے تھے۔

روشن ستارے

اللہ کے ان نیک بندوں کا تذکرہ جنہیں پتھروں کے نیچے ترپا یا گیا، خون میں نہلایا گیا، وطن چھڑایا گیا، انہوں نے ہر قربانی دی مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

روشن ستارے

ان بچے محسنوں کی کہانیاں جن کی محنت اور قربانیوں سے ہمیں ایمان ملا، قرآن ملا، نبی کی سنت ملی، جینے کا ڈھنگ ملا، انسانیت ملی، اعلیٰ اخلاق ملے۔

روشن ستارے

جن میں بچوں کی دلچسپی کا سامان بھی ہے اور اصلاح کا درد بھی جو بڑوں کے لیے بھی اسے ہی مفید ہیں جتنے بچوں کے لیے

روشن ستارے

عبداللہ قازانی کے سدا بہار قلم سے "بچوں کا اسلام" میں شائع ہونے والی تحریروں کا مجموعہ

کتاب گھر ضرب مؤمن کے تمام دفاتر اور ملک بھر میں بک اسٹالز سے طلب فرمائیں۔

الاشکاء بسنت کا

کفار مسلمین سے مشغول جنگ ہیں اور مسلمین خیر سے محروم ہیں
واں ایٹھی پلانٹ میزائلوں کی دھن
امت کا غم تو خاک ہو خود اپنا غم نہیں
خوش مستیوں میں مست ہیں جو رنگ ہیں
دو قوی نظریے کا جنازہ نکل گیا
ہم فکر ہم خیال سبھی سنگ سنگ ہیں
ہے جیروی ہنود کی لاشہ بسنت کا
حاصل ہے سرپرستی شاہان وقت بھی
یہ جہن نو بہار ہے یا راہ خارزار
وہاں ہے بے جا وسعت نظری نے قصروں
طوفانی بارشیں ہیں بگولے ہیں موت ہے

کرتے ہیں رنگ دلیوں میں خوف خدا کی بات
حاصل خود آپ اپنے رنگ میں گویا کہ بھنگ ہیں

حاصل تہنائی

بَست کیا ہے؟

اس کتاب میں آبِ بڑھہ لکھیں گے:

- ☆ بَست کے لغوی اور اصطلاحی معنی مکمل پس منظر کے ساتھ
- ☆ بَست کی تاریخی حیثیت اور اس پر گزرنے والے مختلف ادوار
- ☆ مسلمانوں میں بَست کی ابتدا کیسے ہوئی؟
- ☆ لاہور میں بَست نے کیسے زور پکڑا اور کس نے اسے یہاں رواج دیا؟
- ☆ کیا بَست صرف موسمِ بہار کا استقبال ہے یا اس کے پیچھے مخصوص ہندوانہ ذہنیت کا رفرما ہے؟
- ☆ لاہور کا بَست محض تفریح ہے یا گستاخانِ رسول کا جشن منانے کا ایک انداز؟
- ☆ تفریح کی جائز و ناجائز حدود کیا ہیں؟ اور شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

- تاریخی مآخذ کی مدد سے ٹھوس علمی تحقیق جو اس موضوع کے خفیہ پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔
- علم و تحقیق اور مصنفانہ رائے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں کے لیے مستند دستاویزی ثبوت۔
- تاریخ اور ہندو متیوں کی کتب کے صفحات کے عکس اور متعلقہ تاریخی مقامات کی تصاویر سے آراستہ

■ ایک کتاب جس کی ضرورت تھی
■ ایک دستاویز جو انصاف پسندوں کی تسکین و تشفی کا ذریعہ ہے

خود پڑھیے اور دوسروں تک پہنچائیے تبلیغی مقاصد کے لیے اس کو عام کیجیے